23

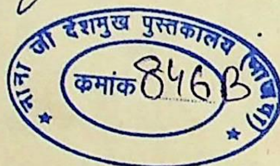
कपाल कुण्डला



کپال کنڈلا

عدیم النظیر فسانہ نگار بابو بنکم چندر چیٹرجی کا
رومانی شاہکار اردو لباس میں





پبلشرز
میسرز راجپال اینڈ سنز
ہسپتال روڈ۔ لاہور





مترجمہ

پریم چند - لاہور

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ



کپال کُنڈلا

(۱)

اڑھائی سو برس گذرے ایک روز دسمبر کی یخ بستہ سردیوں میں رات کو مُسافروں کی کشتی گنگا کی لہروں سے واپس جا رہی تھی۔ اس وقت پُرتگیز اور دُوسرے ڈاکوؤں کے خوف سے مُسافروں کی لدی ہُوئی کشتیاں قافلہ بند ہو کر سفر کیا کرتی تھیں۔ مگر یہ کشتی اکیلی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ عالمِ شب میں خوفناک کہر سے تمام سمتیں ڈھکی ہُوئی تھیں اور ملّاح گم کردہ راہ ہو کر ساحل سے بھٹک گئے تھے۔ سارے مُسافر محوِ خواب تھے۔ ایک نوجوان اور بُوڑھا آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں بُوڑھے نے ملّاح سے پُوچھا "کیوں بھئی! آج کتنا سفر ہو سکیگا؟" ملّاح ذرا غور و فکر کے بعد بولا:۔ "کہہ نہیں سکتے"۔ یہ سُنکر بُوڑھا مُتفکر ہو گیا۔ نوجوان نے کہا "جو بات بھگوان کو معلوم ہو۔ اُسے پنڈت جی نہیں بتلا سکتے۔ پھر یہ بے عقل کیا بتائیگا؟ آپ کیوں گھبراتے ہیں!"

بُوڑھے نے طیش زدہ ہو کر کہا۔ "کیا فرمایا؟ بدمعاش لوگ دس بیس بگھہ دھان کاٹ کر لے گئے۔ اب سال بھر تک لڑکے بالے کیا کھائیں گے؟"

یہ خبر اُس نے دریائے گنگا سے بعد کے آمدہ مُسافروں سے سُنی ہے نوجوان نے کہا "ہم نے تو پہلے ہی بتا یا تھا۔ کہ آپکے گھر میں کوئی دُوسرا منتظم نہیں ہے۔ اس لئے آپ کی حاضری بہتر نہیں رہی۔"

بُوڑھے نے بجبر غصہ میں آ کر کہا۔ "کیا فرمایا۔ تین دور تو زندگی کے گُزر گئے

اب قبر میں پاؤں لٹکائے ہیں۔ اگر اس وقت بھی عاقبت کو درست کرنے کی کوشش نہ کی تو پھر کب کرینگے"؟

نوجوان "اگر شاستروں کا کہا مانیں تو جس طرح تیرتھ یاترا سے عاقبت کی بہتری مخصوص ہے۔ اسی طرح گھر بیٹھ کر بھی ممکن ہے۔" بڈھے نے پوچھا "پھر تم کیوں آئے؟" نوجوان "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کہ سمندر کی سیر کا بڑا اشتیاق تھا۔ اس لئے آیا ہوں"۔ پھر سمندر سے آہستگی سے گویا ہوا "اوہ! آج جو کچھ دیکھنا پڑا ہے۔ اُسے تاحیات فراموش نہیں کر پاؤں گا"۔

فولادی چکّھر کی مانند سمندر کی بسیط زمین دسیع ہونے پر از حد لطیف اور تاڑ کے درختوں کی سرگوشی سے ایسی معلوم ہوتی تھی جس طرح خواب میں لہراتی ہوئی کاہی بوڑھے کا خیال اور کسی طرف نہ گیا۔ ملاح آپس میں بات چیت میں محو تھے۔ وہ اُسی کو توجہ سے سن رہا تھا۔ ایک ملاح دوسرے سے کہہ رہا تھا "ارے بھائی یہ تو بڑا خراب کام ہوا۔ ہم لوگ نامعلوم دریا سے شاید سمندر میں بہہ آئے ہیں یا کسی دوسرے علاقہ میں پہنچ گئے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا"۔

گفتگو کا انداز نہایت پرخوف تھا۔ بوڑھے نے خیال کیا کہ مصیبت آنا چاہتی ہے۔ اسی لئے اس نے خوفزدہ ہو کر پوچھا "ملاح! کیا ہوا؟" ملاح نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن نوجوان جواب کا منتظر نہ رہ کر باہر آیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ اندھیرا ہونیوالا ہے۔ ساری سمتیں کہرے سے ڈھکی ہیں۔ آسمان، ستارے، چاند اور ساحل سمندر وغیرہ نظر ہی نہیں آتے۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ ملاحوں کو راستہ کا شبہ لاحق ہے۔ کہ کدھر جا رہے ہیں۔ شاید کہیں کشتی سمندر میں نہ چلی جائے۔ اسی شبہ سے وہ

پُرخوش ہوتے چلے جا رہے تھے۔

سردی کے بچاؤ کے لئے سامنے پردا لٹکا ہوا تھا۔ اس لئے ملاح وغیرہ اندرونی طور پر ان اُمور کو جان نہیں سکتے تھے۔ مگر اندر آکر نوجوان نے بُوڑھے سے ساری سرگزشت کہہ سُنائی۔ اس سے کشتی میں کافی شور برپا ہو گیا۔ کشتی میں جو عورتیں تھیں۔ اُن میں سے چند ایک شور کی آواز سُنکر بیدار ہو گئیں۔ اور ساری کیفیت سُنکر شور و غل مچانے لگیں۔ بُوڑھے نے کہا "کنارے پر لگاؤ۔ کشتی کو کنارے پر لگاؤ!!"

نوجوان نے ذرا مُسکرا کر کہا "کنارہ ہے کہاں۔ اگر یہ معلوم ہوتا ہے۔ تو اس غل غپاڑہ کی احتیاج ہی کیا تھی؟"

یہ سُنکر مسافروں کا شور و غل اور بھی بڑھ گیا۔ نوجوان نے سب کو خاموش کرتے ہوئے ملاحوں سے کہا "کوئی ڈر کا امکان نہیں۔ پربھات ہو گئی ہے۔ ایک دو گھنٹہ تک آفتاب نکل آئے گا۔ اتنے میں شاید کشتی ڈوبنے سے بچی رہے۔ تم اب ذرا چپو چلانا بند کر دو۔ کشتی کو لہروں میں بہنے دو۔ سُورج کے نکلنے پر پھر سوچا جائے گا۔"

مُسافر لوگ اس رائے سے متفق ہو گئے۔

کافی دیر تک ملاح بے حس و حرکت رہے۔ مسافر خوف سے لرز رہے تھے اسوقت ہوا قدرے تیز نہیں تھی۔ اسلئے سمندر کی مستانہ امواج سے کشتی کا لرزنا بالخصوص محسوس نہیں ہوتا تھا تاہم سب کو یقین ہو گیا کہ سب موت سر پر سوار ہے۔ مرد خموشی سے دُرگا دیوی کا نام وِرد کرنے لگ گئے۔ مگر عورتیں بلند آہنگی سے نالہ و فغاں کرنے لگ

گئیں۔ ایک عورت اپنے بچے کو گنگا کی نذر کر آئی تھی۔ لڑکا جو پانی میں ڈوب گیا تھا
نکل نہ سکنے پر صرف وہ ہی نہ روئی بلکہ انتظار کرتے کرتے ایک پہر دن چڑھ آیا۔ اس
وقت ملاح دریا کے پانچ پیروں کا نام لے کر شور مچانے لگے۔ سارے مسافروں نے
دریافت کیا۔ "کیا ہوا؟ کیا ہوا ملاح! کیا ہوا؟ ملاح بھی ایک زبان ہو کر چلانے لگے۔
دھوپ نکل آئی دھوپ! وہ دیکھو کنارہ نظر آرہا ہے۔" مسافر بھی اُٹھ کر کشتی سے
بڑی توجہ سے جھانکنے لگے۔ دیکھا تو آفتاب نے سر نکالا ہوا ہے۔ کہر کی تاریکی سے عالم مصطفا
سا ہو چکا ہے۔ تین گھنٹہ سے زیادہ دن نکلے ہو گئے ہیں۔ جہاں اس وقت کشتی پہنچی ہے
وہ درحقیقت سمندر نہیں ہے۔ دریا کا ڈیلٹا ہے۔ لیکن دریا اس جگہ اس قدر وسعت
پذیر ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ دریا کا ایک کنارہ کشتی کے بالکل قریب ہے۔
اندازہ پچاس ہاتھ کی دوری پر ہوگا۔ دوسرے کنارے پر کوئی نشان نہیں ہے۔
مسافروں نے خیال کیا۔ کہ ہم سمندر میں آپہنچے ہیں۔ مگر خوش بختی سے کنارہ دکھائی
دے گیا ہے۔ اب کوئی ڈر نہیں ہے۔ ان لوگوں نے سورج کی طرف دیکھ کر سمت
کا اندازہ کر لیا۔ سامنے جو کنارہ نظر آیا وہ سمندر کا مغربی کنارہ معلوم ہوا۔ کشتی
سے تھوڑی دور کنارے پر ایک دریا کا منہ سست رفتاری سے گدلے پانی کی
مانند آکر گرتا ہے۔ دائیں طرف ریت پر مختلف قسم کے پرندے بے انداز کھیل کھیل
رہے تھے۔ اس وقت اس دریائے رسول پور کہتے ہیں۔

(۲)

مسافروں کی پُر امید باتیں جب ختم ہوئیں۔ تو ملاحوں نے تجویز کی۔ کہ طوفان
کے آنے میں ابھی دیر ہے۔ اس عرصہ میں ہم سامنے والی ریت پر کھانے پکانے کا کام

کریں۔ طوفان کے آنے پر ہم اپنے ملک کے لیئے عازم سفر ہوں گے۔ مسافروں نے یہ پسند کیا۔ ملاحوں نے کنارہ پر کشتی لگا دی۔ مسافر اُتر کر نہانے دھونے لگے۔ اس کے بعد کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ مگر اس میں بڑی زبردست اڑچن آ پڑی۔ کشتی پر ایندھن نہیں تھا۔ شیر کے خوف سے لکڑیاں لانے کے لیئے کوئی راضی نہ ہوا۔ آخر کار سب کے بھوکا رہنے کی حالت دیکھ کر بوڑھے نے قبل الذکر نوجوان سے کہا۔ کمار بابو! اگر تم اس کے لیئے تدبیر نہیں سوچو گے۔ تو سب لوگ بھوکے مر جائینگے۔" نوکمار نے قدرے مغمومیت کے بعد کہا۔ "اچھا میں جاتا ہوں۔ کلہاڑی دیدو اور ایک آدمی رسی لیکر ہمراہ ہو جائے"۔

کسی نے بھی نوکمار کیساتھ چلنے پر رضامندی دکھائی۔ اچھا کھانے کیوقت سمجھا جائیگا۔" یہ کہہ کر کمر باندھے نوکمار اکیلا ہی کلہاڑی لیکر لکڑیوں کیلیئے چل پڑا۔

کنارے سے نوکمار بابو نے دیکھا کہ جہاں تک نظر جاتی ہے دُور تک کسی آبادی کا کوئی نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔ صرف جنگل نظر آیا۔ اس جھاڑ میں بڑے بڑے درخت نہیں تھے۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے پودے ہی تھے۔ نوکمار بابو نے اُن درختوں میں جلانے کے قابل لکڑی نہیں دیکھی۔ اسلیئے مناسب لکڑیوں کی تلاش میں اُسے کنارے سے بہت دُور جانا پڑا۔ بالآخر کاٹنے کے قابل ایک درخت دیکھ کر اُس سے کام کے لائق لکڑیاں لیکر چلتے ہوئے اُنہیں از حد تکلیف ہونے لگی۔ نوکمار کسی غریب گھر کا لڑکا نہیں تھا۔ اُسے یہ باڑہ بڑا مشکل جان پڑا جیسا کبھی ہو جس کام کے لیئے وہ آیا تھا۔ اسے اس طرح مشکل دیکھ کر بھاگ کھڑے ہونا اُسکی عادت سے بعید تھا۔ اس لیئے جس طرح بھی ہو سکا۔

وہ گٹھڑ اُٹھا کر چل پڑا۔ تھوڑی دُور لے جا کر پھر بیٹھ جاتا، پھر چلتا، پھر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح چلنے لگا۔

نوکمار کے آنے میں دیر ہونے لگی۔ اُسکے ساتھی گھبرانے لگ گئے اور اُنہیں یہ شُبہ لاحق ہُوا کہ شاید کسی شیر نے نوکمار کو ہلاک نہ کر دیا ہو۔ جب کافی دیر ہو گئی۔ تو اُن کے دِل میں کافی حد تک یہ خیال نقش ہو گیا۔ مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ تھوڑی دُور جا کر اُسکی تلاش ہی کرے۔

مسافر یہی خیال کر رہے تھے [illegible] پُرجوش لہریں نمودار ہو گئیں۔ ملاحوں نے خیال کیا کہ طوفان آنے والا ہے۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس موقعہ پہ لہریں کس طرح کنارے سے ٹکراتی ہیں جس سے کناروں پہ لگی ہوئی کشتیوں کے رسّے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ کافی مقدار میں اُٹھے۔ اور کشتی کو کھسور کر دریا کے بیچوں بیچ لانے لگے۔ کشتی دھکیلتے دھکیلتے دریا کی ریتلی تہہ پہ پانی بھر گیا۔ مسافر بڑی مشکل سے کشتی پر سوار ہو پائے۔ چاول وغیرہ سامان خورد و نوش ڈوب گیا۔ بدقسمتی سے ملاح زیادہ ہوشیار نہیں تھے۔ وہ کشتی سنبھال نہ سکے۔ تیز پانی کی لہر کشتی کو رسول پور کے دریا میں لے چلی۔ ایک مسافر نے کہا۔ نوکمار تو بچھڑ گیا! ایک ملاح نے کہا۔ "اوہ! کیا تمہارا نوکمار ابھی زندہ ہے۔ اُس کو درندے کھا گئے ہوں گے۔"

کشتی دریائے رسول پور میں بڑی تیزی سے جا رہی تھی۔ اسکو واپس لانے میں بڑی دقت پیش آئے گی۔ ان تینے مسافر دریا کے دہانے سے باہر نکلنے کی جی جان سے کوشش کرنے لگ گئے یہاں تک کہ اس ہمدردی کے عالم میں بھی

ان لوگوں سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ ہزار کوشش کے بعد دریائے رسول پور سے باہر
نکلنے لگے۔ مگر جونہی کشتی دہانہ سے باہر آئی۔ وہاں تیز تر لہروں کے زور سے مشرقی
سمت کو تیر کی تیزی سرعت کی مانند روانہ ہوئی۔ ملاح اسکو روکنے میں بالکل ناکام
رہے کشتی واپس نہ لوٹ سکی۔

جس وقت پانی کی لہر اس قدر مدہم ہوئی۔ کہ کشتی کو روکا جا سکے۔ اسی
اثنا میں مسافر رسول پور کے دہانہ کو پار کر کے کافی دور تک چلے گئے تھے۔ اب نوکمار
کے لئے واپس جائیں یا نہیں۔ اس معاملہ پر غور ہونے لگا یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے
کہ نوکمار کے ساتھی مسافر اس کے ہمسایہ رفیق تھے۔ کوئی اس کا رشتہ دار نہیں تھا۔
انہوں نے سوچا۔ کہ یہاں سے واپس جانا ٹیڑھی کھیر ہے۔ رات پڑ جائیگی۔ اور پھر
کشتی چل نہیں سکیگی۔ اور پھر دوسری صبح کو طوفان کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اس وقت
تک سب کو بھوکا نہیں رہنا پڑے گا۔ دو دن کی بھوک سے سانس لبوں پر آجائیگی
بالخصوص واپس جانے پر ملاح متفق نہیں تھا۔ وہ کسی کے حکم کی تعمیل پر مجبور
نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ نوکمار کو شیر نے ہڑپ کر لیا ہوگا۔ جب یہ ممکنات
سے ہے۔ تو پھر کس لئے اس قدر مصیبت مول لی جائے۔

اس طرح غور و فکر کے بعد نوکمار کو چھوڑ کر مسافروں نے مراجعت
وطن اختیار کی۔ اور نوکمار اس خوفناک سمندر کے ساحل پر بھٹک گیا۔
بیشک اگر کوئی اقرار کرے کہ کسی کی بھوک مٹانے کے لئے کوشش فضول
ہے۔ اور جن کی یہ عادت ثانوی بن چکی ہو۔ کہ اپنی بھلائی کرنے والے کو جنگل میں
پچھاڑ دیا جائے۔ تو وہ اپنی بہبودی کرنے والے کو بیابان کی خاک چھنوائینگے۔

لیکن جنکی عادت دوسروں کی بھلائی ہو چکی ہو۔ وہ لاکھوں مصیبتوں کے باوجود بھی دوسروں کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرینگے۔ اگر کوئی بُرا ہو تو بھلا کرنے والا کیوں اپنی کوشش سے باز رہے۔

(۳) (ز)

جہاں نوکمار کو چھوڑ کر مسافر عازم سفر ہوئے تھے۔ وہاں سے قریب ہی دولت پورا اور دری پور دو گاؤں اسوقت نظر آتے تھے جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہاں آدمیوں کی آبادی کا کوئی نشان نہیں تھا صرف جنگل و بیابان ہی نظر آتا تھا۔ بنگال کے دیگر علاقوں کی سر زمین جسطرح ہموار ہے۔ یہاں کی حالت مختلف تھی۔ رسولپور سے سنہری لکیر تک لگاتار کئی میل تک ریت کے ٹیلے نظر آتے ہیں۔ اگر یہ ذرا اور سر بلند ہوتے۔ تو انہیں ریتلی پہاڑیاں کہا جاتا۔ اس وقت وہاں کے لوگ انہیں بلند ریتلی زمین کہتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریت کی چوٹیاں آفتاب کے نصف النہار پر آنے سے خوب چمکدار نظر آتی تھیں۔ ان پر کوئی بلند درخت نہیں تھے۔ بلکہ دامن میں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اور درخت ہوتے تھے۔ اور یہ بیابانی یا سر بلند جگہ سایہ کے لیئے بھی ترستی تھی۔ باقی آدھے حصے کو خوشنمائی بخشنے کے لیئے دور تک بن جھاؤ اور جنگلی پھول ہی تھے۔

اس سنسان جنگل میں نوکمار کو ہمراہیوں نے چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ لکڑیوں کا گٹھا لیکر دریا کے کنارے پہنچا۔ تو کشتی کو نہ دیکھ کر پہلے تو کافی متخالف ہوا۔ مگر اسے یہ یقین نہ آیا۔ کہ اُسکے رفیق اُسے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ خیال کیا۔ کہ طوفان

کی وجہ سے کنارے کا دینیلا حصّہ ڈوب گیا ہے۔ اسلئے شاید لوگوں نے قریب ہی کشتی کو کھڑا کر دیا ہو۔ تھوڑی دیر تک تلاش کرتے ہوئے وہ یہاں پہنچ جائینگے۔ اسی خیال میں وہ کچھ دیر وہاں منتظر رہا۔ لیکن کشتی نہ آئی۔ کشتی کے مُسافر بھی نظر نہ آئے۔ نوکمار بھوک سے بے چین ہو گیا۔ اسلئے زیادہ دیر انتظار کرنا فضول خیال کر کے کشتی کی تلاش میں کنارے کنارے چلنے لگا۔ مگر وہ دکھائی تک نہ دی۔ پھر واپس پہلے مقام پر آیا۔ خیال کیا طوفان کے زور سے کشتی بہہ گئی ہوگی۔ اسلئے مناسب لہر نہ اُٹھنے پر کشتی کا واپس آنا ممکنات سے نہیں ہے مگر جب طوفان زیادہ پُر جوش ہو گیا۔ تو اُس کا خیال اعتماد میں منقلب ہو گیا۔ آہستہ آہستہ دِن ڈھلنے لگا۔ آفتاب غروب ہو گیا۔ اگر کشتی کو واپس آنا ہوتا تو اب تک واپس آگئی ہوتی۔

اِسوقت نوکمار کو یقین آیا۔ کہ یا تو کشتی طوفان کی نظر ہو گئی یا ہمراہی اس سنسان جنگل میں اسے بھول کر چلے گئے ہیں۔

نوکمار نے دیکھا۔ گاؤں نہیں، کوئی آدمی نہیں اور دوسرا سہارا نہیں۔ کھانا پکانے کا سامان نہیں۔ دریا کا پانی تو نہایت کھاری ہے۔ بھوک اور پیاس سے اس کا جگر پھٹنے لگا خوفناک سردی سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں۔ پہننے اور اوڑھنے کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ برف کی مانند خنک اور ہڈیوں کو چیرنے والی تیز ہوا۔ دریا پر اولوں کی مانند پانی۔ سنسان آسمان کے نیچے بستر کے بغیر سونا پڑیگا۔ بھیڑیوں کا خوف رات بھر میں زندگی کو موت میں تبدیل کر دے گا۔

یکسوئی دِل سے نوکمار زیادہ دیر تک بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ کنارے سے ہٹکر پھرنے لگے۔ آہستہ آہستہ تاریکی چھانے لگ گئی۔ سردی کے عالم میں تارے آسمان پر خندہ زن ہو

اُٹھتے۔ تاریکی کی وجہ سے چہار سُو سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف سمندر کی لہروں کی آواز اور کبھی کبھی جنگلی جانوروں کی چنگھاڑ سُنائی دیتی تھی۔ نوکمار اس تاریکی کے عالم میں برف باد آسمان کے زیر سایہ ریتیلی زمین پر پھر رہا تھا۔ ہر ایک قدم پر جنگلی جانوروں کی آہٹ کا خیال آتا۔ مگر ایک جگہ بیٹھنے میں تو زیادہ خوف کا احتمال تھا۔

چلتے پھرتے نوکمار تھک گیا۔ دن بھر کا بھوکا تھا۔ از حد چُور ہو گیا۔ ایک جگہ ریتیلے ٹیلے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ گھر کے آرام دہ بستر کا خیال آیا۔ جب جسمانی اور روحانی تکلیفات سے ذہن شل ہو جاتا ہے۔ تو گاہے ماہے خواب آوری بھی لازم ہے۔ نوکمار غم میں غلطان ہو گیا۔ اگر قدرت کا یہ اصول بھی نہ ہوتا۔ تو دُنیاوی مصائب سے کوئی نبرد آزما نہ ہو پاتا۔

(۴)

نوکمار کی جب نیند اُچاٹ ہوئی تو اُس وقت بھی کافی رات تھی۔ ابھی تک اندھیرا کافور نہیں ہوا تھا۔ اسی پیشا سے حیرت ہوئی۔ وہ مبہوت ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کہ شاید کوئی شہر آتا ہے۔ اچانک کافی دور کوئی روشنی نظر آئی۔ دھوکا نہ ہو۔ اس لئے نوکمار پوری توجہ سے دیکھنے لگا۔ روشنی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ وہ آگ کی لپٹیں معلوم ہوئیں۔ یہ سمجھ کر اسے پھر زندگی کی اُمید بندھی۔ آدمی کی موجودگی کے بغیر ایسی روشنی ممکنات سے نہیں ہے۔ نوکمار اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور روشنی کی سمت کو چل پڑا۔ ایک بار خیال آیا۔ کہ کہیں بھوت کا تماشہ تو نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں بیٹھے رہنے سے زندگی کہاں تک بچ رہے گی۔ یہ سوچ کر وہ بے خوفی کے عالم میں اس طرف چل دیا۔ ریتلی گھاس جھاڑیاں اور خار زار بیلیں قدم قدم پر اُس کے سدِ راہ ہوتی تھیں۔ لیکن وہ گنجانکوں کو پاٹتا ریتلی زمین کو مسلتا ہوا

اس جانب بڑھ رہا تھا۔ قریب جاکر دیکھا تو ایک ریتیلی چوٹی پہ آگ شعلہ زن ہو رہی ہے۔ اسکی روشنی میں انسانی شکل ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے صفت فلک پہ کوئی تصویر نقش کروائی ہو۔ نوکمار اس کے نزدیک پہنچنے کی خواہش سے نہایت تیز گام ہو اٹھا۔ بالآخر ریتیلی چوٹی پہ چڑھنے لگا جب وہ اس آدمی کے نزدیک پہنچا۔ تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بیم و رجا کا عالم طاری تھا۔ ٹھہروں یا کہ واپس چلا جاؤں۔

وہاں پر بیٹھا ہوا آدمی آنکھیں موند سے محو خیال تھا۔ اس نے نوکمار کو نہیں دیکھا نوکمار نے خیال کیا۔ کہ اس کی عمر پچاس سال کی ہوگی۔ اس نے کوئی بدنی کپڑا پہنا ہوا ہے یا نہیں۔ یہ نظر نہیں آتا۔ سر سے کمر تک بالائی حصہ شیر کے چمڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس کے گلے میں رودراکش کی مالا پڑی ہے لیکن بخش صورت داڑھی اور لمبے بالوں والا ہے۔ سامنے آگ دھدک رہی ہے۔ اس آگ کو دیکھ کر ہی نوکمار یہاں پہنچا تھا۔ نوکمار کو ایک قسم کی تیز بدبو کا احساس ہوا۔ جس کو دیکھ کر اسکی وجہ معلوم ہوئی۔ وہ سادھو ایک سر کٹے مردہ پہ بیٹھا تھا۔ اس نے خوفزدہ ہو کر یہ بھی دیکھا کہ سامنے آدمی کی کھوپڑی پڑی ہے۔ اس میں کوئی لنگوں شے بھری ہوئی ہے۔ اردگرد ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مرتاضی گلے میں جو مالا پہنے ہے۔ اس میں بھی ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پڑے ہیں۔ نوجوان جبکہ حرکت کھڑا رہا۔ آگے بڑھا تاکہ مقام کا پتہ لگائے۔ مگر کوئی پختہ ارادہ نہ کر پایا۔ وہ مردم خوروں کی کہانیاں سن چکا تھا۔ اس لئے سمجھ گیا کہ یہ مردم خور ہے۔ جب نوکمار وہاں پہنچا تھا۔ اس وقت سادھو منتر سِدھی، جپ یا دھیان میں محو تھا۔ اسلئے مدخل نہ ہو سکا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دریافت کیا۔ "تم کون ہو؟"

نوکمار نے کہا۔ "براہمن ہوں"۔

کپالک نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ"۔ یہ کہہ کر وہ پھر قبل الذکر عمل میں مصروف ہو گیا۔ نوکمار کھڑا دیکھتا رہا۔

اسی حالت میں دو گھنٹے گزر گئے۔ بالآخر آنکھیں کھول کر پھر وہ سادھو نوکمار سے بولا "میری تقلید کرو"۔ یہ تو درست ہے کہ اگر کوئی موقع ہوتا۔ تو نوکمار اُس پر قطعاً عمل نہ کرتے۔ مگر اس وقت تو بھوک اور پیاس نے جان بلب کر ڈالا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "جو حکم ہو بجا لاتا ہوں۔ لیکن بھوک اور پیاس نے بے چین کر ڈالا ہے۔ یہ تو بتلائیے کہ کہاں پہنچکر کھانے پینے کا سامان میسّر آئے گا"۔

سادھو نے کہا۔ "بھیروی کی تلاش میں جیسا میں عمل کروں ویسا ہی کرو تسکین مل جائیگی"۔

نوکمار سادھو کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ دونوں کافی دُور چلے گئے۔ راستہ میں قطعاً گفتگو نہ ہوئی۔ آخرکار ایک جھونپڑی کے قریب پہنچے۔ سادھو پہلے اس میں داخل ہوا۔ پھر نوکمار کو بھی آنے کیلئے کہا۔ اس میں نامعلوم کس طرح لکڑی کے ٹکڑے سے آگ جلائی۔ نوکمار نے اسکی روشنی میں دیکھا۔ کہ یہ جھونپڑی برگ گیتکی سی بنی ہوئی ہے۔ اس میں کتنی ہی شیر کی کھالیں۔ ایک گھڑا پانی اور کچھ خورد و نوش کیلئے پھل وغیرہ موجود ہیں۔

سادھو نے آگ جلا کر کہا۔ "پھل وغیرہ جو کچھ موجود ہے کھا سکتے ہو۔ پتے کا دونا بنا کر پانی پی لو۔ شیر کی کھال پڑی ہے۔ جب تک میں آؤں سو رہنا۔ بے خوف رہو۔ شیر کا یہاں کوئی ڈر نہیں۔ میں پھر ملوں گا۔ جب تک واپس نہ آؤں

یہیں رہنا۔ یہ کہہ کر سادھو چلا گیا۔ نوکمار پھل وغیرہ کھا کر بڑا محفوظ ہُوا۔ اور
شیر کی کھال پر لیٹتے ہی دن بھر کی تکان کی وجہ سے فی الفور محوِ خواب ہو گیا۔

(۵) (5)

صبح سویرے اُٹھ کر نوکمار نے کھانے کی تدبیر سوچنے لگا۔ بالخصوص اس مردم
خور سادھو کے پاس رہنا اُسے ذرا بھی پسند نہ آیا۔ مگر ناواقفیت کی وجہ سے اس جنگل سے
کس طرح نجات پائے؟ راستہ کس طرح تلاش ہو؟ سادھو تو سارے راستوں
سے واقف ہو گا۔ کیا دریافت کرنے پر بتا بھی دے گا۔ خصوصاً اس وقت تک تو
اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس پر شبہ کا امکان ہو۔ تاہم خوف کس لئے مسلّط ہے
ادھر یہ کہ سادھو کہہ گیا ہے۔ کہ جب تک واپس نہ آؤں۔ جھونپڑی چھوڑ کر واپس نہ جانا۔
اگر اس کا حکم نہ مانوں تو اُس کا غُصّہ ہونا یقینی ہے۔ اس نے یہ بھی سُنا ہُوا تھا۔
کہ مردم خور سادھو منتر کے زور سے ناممکن کو ممکن کر دیتے ہیں اس لئے عدول حکمی
مناسب نہیں ہے۔ اسی قسم کا خیال کر کے اس نے جھونپڑی میں رہنا ہی تجویز کیا ہے۔
آہستہ آہستہ دن غروب ہو گیا۔ پھر بھی سادھو واپس نہ آیا۔ نوکمار پہلے ہی
ایک دن کا بھوکا تھا۔ اور آج یہ دوسرا دن تھا۔ وہ بھوک سے بے چین ہو گیا۔
جھونپڑی میں جو کچھ کھانے کو تھا۔ وہ تو رات کو ہی ختم کر چکے تھے۔ اب جھونپڑی سے
باہر نکل کر خوراک کی تلاش لازم تھی۔ تھوڑا دن رہنے کی وجہ سے ویاکل ہوتا ہُوا
نوکمار پھلوں کی تلاش میں چل پڑا۔
پھلوں کی تلاش میں ریت کے ٹیلوں کے اردگرد پھرنے لگا۔ جو ایک دو قسم

کیے درخت ریت میں پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک جھاڑی کے پھل کا ذائقہ بادام کی مانند اور حد لذیذ معلوم ہوا۔ اس سے اس نے بھوک مٹائی۔

ریت کے اس ٹیلے کی چوڑائی بالکل تھوڑی تھی۔ اسلئے تھوڑی دیر میں نوکمار اسکی دوسری سمت چلا گیا۔ اسکے بعد جھاڑیوں کا جنگل آگیا۔ جنہوں نے ذرا بھی بیابان کو دیکھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ آدمی ایک ساعت جنگل میں کسطرح راستہ بھول جاتا ہے نوکمار سے کبھی یہی پیش آئی۔ تھوڑی دور جانے پر یہ فیصلہ نہ کر پایا۔ کہ جھونپڑی کا راستہ کس طرف ہے۔ پانی کا پُرشور غلغلہ سنائی دیا۔ خیال کیا۔ کہ یہ سمندر کی گرج ہے۔ اتنے میں چلتے چلتے جنگل سے نکل کر سامنے سمندر کو پایا۔ نیلگوں پانی حد نگاہ تک دور تک نظر آیا۔ مسرت سے جی لبریز ہو اٹھا۔ جا کر ریت پر بیٹھ گیا۔ جھاگ دار سمندر سامنے تھا۔ دونوں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے۔ امواج میں موجزن ہوتی ہوئی جھاگ کا منظر پیش نظر ہے۔ بے انداز سمندر کی لہروں سے گھٹتی ہوئی بالاؤں کی مانند طلائی سطح پر دلکشی اسلئے ہے اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ قسم ہا قسم کے زیورات کی جگمگاہٹ لئے چکا چوند کا عالم بنا ڈالا ہے۔ اور نیلگوں سمندر میں اکھٹی بالہریں اٹھ رہی ہیں۔ اگر ذرا بھی ہوا کا جھونکا آتا ہے تو جس طرح بے انداز انجم افشاں وادی فلک میں تھرا رہے ہوں۔ اسطرح سے کچھ سمندر کی بے چینی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ شفق پر غروب آفتاب کی کرنوں سے نیلگوں سمندر کا عکس پگھلے ہوئے طلائی ٹکڑے کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ تھوڑی دور لہروں میں بیوپاری جہاز سفید پنکھ پھیلائے عظیم الشان پرندے کی مانند اڑتا چلا آتا تھا۔

کافی دیر تک نوکمار سمندر کے دلکش سین کو دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد سمندر

پر تاریکی کا نقاب پڑ گیا۔ نوکمار کو یاد آئی۔ کہ جھونپڑی کی تلاش کی جائے۔ سرد آہ بھر کر اٹھا۔ سرد آہ کیوں بھری۔ اسکے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اگرچہ اس کے ذہن میں کسی پرانے آرام کی یاد آئی ہو۔ سمندر سے منہ موڑ کر جب امواج بحر کی پر شور آواز کی بجائے شام کی غیر معمولی روشنی میں دیکھا۔ کہ سامنے ایک خوش اندام خاتون کھڑی ہے۔ اس کے سیاہ لمبے بال پاؤں کی ایڑیوں تک لرز رہے ہیں۔ تاریکی کے غالب آنے کی وجہ سے اسکی صورت صاف طور پر نظر نہیں آتی۔ تاہم بادلوں کے ٹکڑوں سے چھنتی ہوئی ماہتابی شعاع کی مانند محسوس ہوئی۔ اسکی ہرنی کی مانند پرکشش بڑی بڑی آنکھیں ازحد روشن اور متانت کی مجسم تصویر تھیں۔ زلفوں سے دونوں کندھے ڈھکے ہوئے تھے۔ البتہ دونوں بازوؤں کا قدرے تاریکی میں بھی پتہ چلتا تھا۔ خاتون جنت کے جسم پر کوئی زیور نہیں تھا۔ تاہم اس میں دلگداز کشش تھی جس کا بیان زبان و قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ اس کا ہلال آسا رنگ۔ سیاہی مائل بالوں اور رنگ کی خوشنمائی سے جس قسم کا جلال ٹپکتا تھا۔ اسے اس پر شور ساحل سمندر پر شام غریباں کے اجالے میں بغیر محسوس کئے اس کی پر سحر کشش کا خود بخود احساس ہوتا تھا۔

نوکمار اس بیم و رجا کی حالت میں اس قدرتی تصویر کو دیکھ کر ساکت و صامت کھڑا رہ گیا۔ زبان گنگ ہو گئی۔ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔ خاتون بھی غیر متحرک تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں سے وہ نوکمار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں میں صرف یہی فرق تھا۔ کہ نوکمار حیرت زدہ آدمی کی مانند۔ لیکن ماہ پارہ کی نظر میں کوئی اس قسم کا آثار دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہاں خاص جوش کے جذبات کا احساس ہوتا تھا۔

سمندر کے ساحل کنارہ پر اسی طرح دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے

کافی دیر بعد ماہ طلعت خاتون کی آواز آئی۔ اس نے نہایت شیریں انداز میں کہا۔

"مسافر! کیا تم راستہ بھول گئے ہو؟"

اس آواز کے ساتھ ہی نوکمار کے دل کی ستار بول اٹھی۔ عجیب غریب دل کے تار کبھی کبھی ایسے بے تال ہو جاتے ہیں۔ کہ باوجود کوشش کے ٹھیک طور پر آواز نہیں دیتے۔ مگر ایک آواز ہے، ایک پُرسحر آواز ہے عظمت پذیر ہو جاتے ہیں۔ اور یکسانیت خود بخود معنی خیز آواز کا احساس کرتی ہے۔ اور سفرِ حیات راحت افروز لہر کی مانند تسکین آور معلوم ہوتا ہے۔ نوکمار کے کانوں کو یہی محسوس ہوا۔

"مسافر! تم تھکے اور گم کردہ راہ ہو!" یہ آواز نوکمار کے کانوں میں آئی۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا جواب دیا جائے۔ کوئی خیال نہیں۔ آواز جیسے مسرت سے لہراتی ہوئی ہوا میں بہنے لگی۔ درختوں کے پتوں سے بھی جس طرح یہی آواز نکل رہی تھی۔ اور سمندر کی لہروں کی زبان بھی یہی کچھ مکرر کہہ رہی تھی۔

سمندر سے لہراتی ہوئی زمین مُطلّا تھی۔ ماہ پارہ سنہری تھی۔ اور آواز بھی طلائی تھی۔ نوکمار کے سازِ دل میں خوشنمائی کے لئے اُٹھنے لگی۔

خاتون نے جواب نہ پا کر کہا۔ "آئیے!" یہ کہہ کر وہ خود آگے آگے چلی۔ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ اس کے پاؤں زمین پر پڑتے ہیں یا نہیں۔ نسیم کی بہار بہتی ہوئی سے رواں دواں بادل کی مانند وہ اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا جس طرح نشیمن حرکت کرتی ہے۔ ایک مقام ایک چھوٹے سے جنگل میں سے ہو کر جاتا تھا۔ جنگل میں پہنچنے پر پتا کر دیکھا۔ کہ وہ ماہ طلعت غائب ہے۔ اور سامنے جھونپڑی ہے ؛

(۶)

نوکمار نے جھونپڑی میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ کافی دیر تک بیٹھا ہُوا غم و اندوہ میں مستغرق رہا ــــ پری ہے یا انسان ــــ سادھو کا فریب ہی تو نہیں ہے" نوکمار بے حس و حرکت سوچتا رہا۔ لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچا۔

نوکمار غم میں غرق تھا۔ اس لئے جھونپڑی کی اشیاء کی طرف اس کا دھیان نہیں تھا۔ اس جگہ پہلے ہی ایک لکڑی سُلگ رہی تھی۔ پھر جب قدرے رات بہت جا چکی تو یاد آیا۔ کہ شام کا عمل ابھی باقی ہے۔ تو پانی کی تلاش میں اُٹھو پیالے لگ سلگتی دیکھ کر حیرت ہوئی۔ صرف راشن ہی نہیں۔ بلکہ چاول وغیرہ بھی موجود تھے۔ نوکمار نے سوچا۔ کہ یہ بھی سادھو کا ہی کام ہے۔ حیرت کی احتیاج ہی کیا ہے؟

نوکمار نے شام کی خوراک کو تیار کرنے کے لئے مٹی کے برتن میں بھات بنا کر کھانا کھایا۔

دُوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر سمندر کے کنارے کی طرف چلا۔ پہلے دن کی آمد و رفت کی وجہ سے جلد ہی راستہ طے ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر انتظار کرنے لگا کس کا انتظار؟

"قبل الذکر نازنین پھر وہاں آئیگی" یہ خواہش نوکمار کے دل میں کس حد تک پُرجوش ہوئی۔ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مگر اس جگہ کو وہ چھوڑ نہ سکا۔ کافی دن نکل آیا۔ تو نوکمار اِدھر اُدھر فضول تلاش کرنے لگا۔ اسکو کسی آدمی کے آثار تک نظر نہ آئے پھر واپس آ کر اُسی جگہ بیٹھ گیا۔ شام کو ساحل سمندر سے واپسی پر نوکمار نے دیکھا کہ جھونپڑی میں مردم خور سادھو سے بیٹھا ہے۔ نوکمار نے پہلے خیر و عافیت

دریافت کی۔ مگر سادھو نے کوئی جواب نہ دیا۔

نوکمار اب تک آپ کے درشنوں سے کیوں محروم رہا۔ سادھو بولا۔ میں اپنے برت میں لگا ہوا تھا۔ نوکمار نے گھر جانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "راستہ کا علم نہیں اور نہ ہی سفر خرچ ہے۔ آپ کے ملنے پر مناسب انتظام ہو جائے گا۔ ایسی امید لیے پڑا ہوں۔ سادھو نے صرف یہی کہا۔ "میرے ساتھ چلو۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تاکہ گھر جانے کی کوئی تدبیر بن جائیگی۔ اسی امید پر نوکمار بھی اسکے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

اس وقت تک شام کی گھٹا ٹوپ تاریکی نہیں چھائی تھی۔ سادھو آگے آگے اور نوکمار پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اچانک نوکمار کی پیٹھ پر کسی نرم و نازک ہاتھوں کا لمس ہوا۔ مڑ کر دیکھا تو ساکت رہ گیا۔ یہ تو وہی پہلی دراز زلفوں والی ماہ پارہ بت بے پروا مجسم کھڑی ہے۔ اچانک یہ تصویر اس کے سامنے کس طرح آگئی؟ نوکمار نے دیکھا۔ نازنین منہ پر انگلی رکھے ہوئے ہے۔ نوکمار نے سمجھا کہ وہ بولنے سے منع کر رہی ہے۔ مگر مخالفت کی تو کوئی خاص وجہ نہ تھی۔ نوکمار ذرا الجھ گیا۔ وہ حیرت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سادھو نے یہ نظارہ نہ دیکھ پایا۔ آگے آگے بڑھتا چلا گیا۔ رمنی نے اس سادھو کے کافی دور تک چلے جانے کے بعد آہستہ سے کچھ کہا۔ نوکمار کے کانوں میں یہ آواز آئی۔ "کہاں جا رہے ہو مت جاؤ۔" یہ کہتے ہوئے نازنین نیچے ہٹ گئی۔ جواب کا انتظار نہ کیا۔ نوکمار تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر اسکے پیچھے جانے کو تیار ہوا۔ لیکن نازنین کہاں گئی۔ اس کا اسے کوئی پتہ نہ چلا۔ سوچنے لگا۔ یہ کیسا فریب ہے کیا مجھے وہم ہو گیا ہے؟ جو بات سنائی دی ہے وہ بالکل درست ہے۔ مگر شبہ کیسا ساحر تو ایسا کر سکتے ہیں۔ کیا بھاگ جاؤں؟ کیوں بھاگوں۔ اس دفعہ اگر بچ گیا۔ تو آج

بھی بچ جاؤں گا۔ سادھو بھی آدمی ہے اور میں بھی۔

نوکمار اسی فکر میں غلطاں بیٹھے کر دیکھا سادھو مجھے اپنے ہمراہ نہ پاکر واپس چلا آرہا ہے۔

سادھو نے کہا "دیر کیوں لگاتے ہو؟"

مردم خور کو بلانے پر نوکمار بے حیل وحجت ساتھ ہو لیا۔

تھوڑی دور جاکر مٹی کی دیواروں سے تیار ایک جھونپڑی کو دیکھا۔ اسکی پچھلی سمت سمندر کا ریتلا کنارہ تھا۔ جھونپڑی کے نزدیک سے سادھو نوکمار کو اسی راستہ لیکر روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں تیر کی تیز سرسراہٹ کی مانند ماہ پارہ نازنین قریب سے گزرتی دکھائی دی۔ اور یہ آواز سنائی دی۔ "اب بھی دوڑ جاؤ۔ ابھی وقت ہے۔ آدمی کے گوشت کے بدوں چلا کشتی کامیاب نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں جانتے؟"

نوکمار کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگا۔ بدبختی سے نازنین کی یہ بات سادھو نے بھی سن لی تھی۔ اس نے کہا۔ کپال کنڈلے!

یہ آواز نوکمار کے کانوں میں بادل کی گرج کی مانند سنائی پڑی۔ مگر کپال کنڈلا نے کوئی جواب نہ دیا۔

سادھو نوکمار کا ہاتھ تھامے ہمراہ ہو لیا۔ مکار آدمی کے چھونے سے نوکمار کی نبض صدگونہ تیزی سے حرکت زن ہو اٹھی۔ پرحوصلہ ہو کر اس نے کہا—
"ہاتھ چھوڑ دیجئے!"

سادھو نے کوئی جواب نہ دیا۔ نوکمار نے کہا "مجھے کہاں لے جاتے ہو؟"

سادھو۔ عبادت گاہ میں۔"

نوکمار۔ "کیوں؟"

سادھو۔ قربانی کے لیئے"۔

نہایت عجلت سے نوکمار نے اپنا ہاتھ چھڑالیا۔ جس پھرتی سے اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ اس سے اگر معمولی آدمی اُس کا ہاتھ پکڑے ہوتا۔ تو ہاتھ پکڑنا تو دُور رہا۔ بضرور وہ زمین پر آرہتا۔ تاہم سادھو کو ذرا بھی محسوس نہ ہُوا۔ نوکمار کی کلائی اُس کے ہاتھ میں رہ گئی۔ یعنی نوکمار کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ دیکھا کہ طاقت سے کام نہیں چلیگا۔ حکمت عملی مناسب رہے گی۔ "اچھا دیکھا جائے گا" یہ سوچکر وہ سادھو کے ہمراہ لے لیا۔

بیابان کے وسط میں پہنچکر نوکمار نے دیکھا۔ کہ پہلے دن کی مانند لکڑیوں کے ڈھیر سے شعلے سربلند ہو رہے ہیں۔ چاروں طرف ساحری کا سامان پڑا ہے۔ درمیان میں انسانی کھوپڑی شراب سے لبریز ہے۔ مگر لاش ندارد۔ غور کیا کہ شاید میں ہی لاش کا درجہ پاؤں گا۔ کئی ایک رسیاں وہاں پہلے ہی موجود تھیں۔ سادھو نے اُن سے نوکمار کو باندھنا شروع کیا۔ نوکمار بھی زور آزمائی کرنے لگا۔ لیکن قوت آزمائی ذرا بھی کام نہ آئی۔ اور محسوس ہُوا کہ اس پہلو میں بھی سادھو تانی ہوشیار ہے۔ نوکمار کی کشمکش دیکھ کر سادھو نے کہا۔ "بے عقل کیوں زور آزمائی کرتا ہے؟ تیری زندگی آج بامُراد ہوئی ہے۔ بھیروی کی پُوجا میں آج تیرا گوشت چڑھایا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر تیرے جیسے آدمی کے لیئے اور کونسی نیک فال ہوسکتی ہے؟"

سادھو نے نوکمار کو مضبوطی سے باندھ کر ریت میں ڈال دیا اور قربانی کی ابتدائی پُوجا میں مصروف ہوگیا۔ اسی اثناء میں نوکمار بھی گانٹھیں کھولنے میں مصروف رہا۔ رسیاں

بڑی مضبوط تھیں اور گانٹھیں بڑی سخت۔ موت نزدیک ہے۔ نوکمار نے بھگوان کی بارگاہ میں سر جھکایا۔ ایک بار وطن کی یاد آئی۔ گھر کی راحت کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ پھر کافی دیر کے بھولے ہوئے جنک اور جیننی کا خیال آیا۔ آنکھوں سے ایک دو آنسو گر کر ریت میں جذب ہو گئے۔ سادھو ابتدائی پوجا ختم کر کے قربانی کے لئے کھڑگ لینے کو آسن سے اُٹھا۔ مگر جہاں کھڑگ پڑا تھا۔ وہاں نہ ملا۔ حیرت زدہ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ اُسے ٹھیک یاد تھا کہ وہاں ہی پڑا ہے وہاں سے اُٹھایا بھی نہیں ہے۔ پھر کھڑگ گیا کہاں! ادھر اُدھر تلاش کرنے لگا۔ مگر تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ پھر جھونپڑی کی طرف متوجہ ہو کر کپال کُنڈلا کو بُلانے لگا۔ مگر بار بار آواز دینے بھی کپال کُنڈلا نے آواز نہ دی۔ سادھو کی آنکھیں غصّہ سے دھدک اُٹھیں۔ بھنویں تن گئیں۔ جلدی سے دوڑ کر گھر کی سمت چلا گیا۔ اسی دَوران میں رسیوں کو توڑ کر آزاد ہونے کی متواتر کوشش میں بھی نوکمار کامیاب نہ ہؤا۔

اس وقت ریتلی زمین پر نرم قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ یہ سادھو کی آواز نہیں تھی۔ نوکمار نے آنکھیں پھیر کر دیکھا۔ وہ موہنی کپال کنڈلا تھی۔ اس کے ہاتھ میں کھڑگ حرکت کر رہا تھا۔

کپال "خاموش رہو! بولنا نہیں۔ کھڑگ میرے پاس ہے۔ چرا لیا تھا۔"

یہ کہہ کر کپال کُنڈلا جلدی سے نوکمار کی رسیاں کاٹنے لگی۔ فی الفور اسے آزادی بخش کر کہا۔ دوڑو میرے پیچھے آؤ۔ راستہ بتاتی ہوں۔ یہ کہہ کر کپال کنڈلا نہایت تیز گامی سے راستہ دکھاتی ہوئی چلی۔ نوکمار پیچھے پیچھے چل پڑا۔

(۷)

سادھو نے گھر کی ہر ایک شے کو دیکھا۔ مگر کھڑگ نہ ملا۔ اور کپال کنڈلا بھی نظر نہ
آئی۔ لاچار قربان گاہ کی لوٹا۔ وہاں آکر دیکھا تو نوکمار بھی نہیں ہے۔ نہایت حیران ہوا۔
پھر اُسے کٹی ہوئی رسیاں نظر آئیں یہ دیکھ کر معاملہ کو بھانپ گیا۔ اور نوکمار کی تلاش کو چل پڑا۔
مگر وہ کس راستے کہاں گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ تاریکی کی وجہ سے کسی کو دیکھ نہ سکا۔
اسی لئے آواز کے احساس میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ مگر جب آواز تک بھی سنائی نہ دی۔
تو چاروں طرف تلاش کرنے کے خیال سے ریت کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ سادھو جس سمت
سے چڑھا اس کا دوسرا کنارہ برسات کے پانی سے کٹ گیا تھا جس کا اُسے علم نہیں تھا۔ جونہی وہ
چوٹی پر چڑھا۔ اُس کے بوجھ سے ریتلی چوٹی نہایت پُرشور آواز سے زمین پر آ رہی۔ پہاڑ
سے گرتے ہوئے ڈھیلے کی مانند سادھو بھی ساتھ ہی دھڑم سے گر پڑا ؀

(۸)

شب دیجور کی تاریکی میں دم گھٹ کر دونو جنگل میں داخل ہوئے۔ نوکمار کو راستہ
کا پتہ نہیں تھا۔ صرف ساتھ کی رفیقہ کے پیچھے پیچھے چلنے کے بدوں دوسرا کوئی طریقہ
نہ تھا۔ دل میں سوچا قسمت میں یہی لکھا ہوگا۔ نوکمار نہیں جانتا تھا کہ بیگانگی واقع
کے تخت رہا کرتے ہیں۔ حالات بیگانگی کو اپنے تحت نہیں لا سکتے۔ اگر اسے اس امر سے
آگاہی ہوتی تو فکر نہ کرتے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ اندھیرے میں کچھ
نظر نہیں آتا تھا۔ صرف تاروں کی روشنی میں کسی کسی ریتلے ٹیلے کی بلندی نظر آتی تھی۔
اور کہیں ثمر دار درخت نظر نہیں آتے تھے۔

کپال کنڈلا مسافر کو لیکر ایک سنسان بن میں پہنچی۔ رات دوپہر گزر چکی تھی سامنے

تاریک جنگل میں ایک سربلند مندر کی چوٹی نظر آئی۔ اسکے نزدیک اینٹوں کا بنا ہوا مکان تھا۔ کپال کنڈلا دروازہ کے پاس پہنچکر کھٹکھٹانے لگی۔ بار بار کھٹکھٹانے پر اندر سے کسی نے کہا۔ "کون ہے؟ کیا کپال کنڈلا ہے؟" کپال کنڈلا نے کہا۔ "جی ہاں۔ دروازہ کھولیئے۔"

دروازہ کھل گیا جس شخص نے دروازہ کھولا۔ وہ اس مندر کی دیوی کا پجاری تھا۔ پچاس سے زیادہ عمر ہوگی۔ کپال کنڈلا نے اس کے کانوں میں دو چار باتیں آہستگی سے کرکے اپنے ہمراہی کے حالات اسے بتادیئے۔ پجاری کافی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ وہ شخصیت سب کچھ کر سکتی ہے جیسا بھی ہوگا۔ ماتا کے مندر کا تم نوالا نہ ہوگے۔ وہ آدمی کہاں ہے؟"

کپال کنڈلا نے "آؤ" کہہ کر نوکمار کو بلایا۔ نوکمار اوٹ میں کھڑا تھا۔ بلانے پر اندر آیا۔ پجاری نے اسے کہا۔ "آج یہاں چھپ جاؤ۔ کل صبح میدنا پور کے راستہ پر پہنچا آؤں گا۔"

باتوں ہی باتوں میں پجاری تاڑ گیا۔ کہ ابھی تک نوکمار نے کھانا نہیں کھایا۔ اسلیئے پجاری اس کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ لیکن نوکمار نے کھانے کی طرف بالکل رغبت کا اظہار نہ کیا۔ صرف آرام کے لئے استدعا کی۔ پجاری نے نوکمار کے سونے کا ایک علیحدہ مقام پر انتظام کر دیا۔ جب نوکمار سوگیا تو کپال کنڈلا نے پھر ساحل سمندر کا رخ کیا۔ پجاری نے اسکی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی مت جاؤ۔ ذرا ٹھہر جایئے۔ ایک گزارش کرنی ہے۔"

کپال کنڈلا۔ "کیا؟"

پجاری۔ "جب سے آپکو دیکھا ہے۔ لڑکی مانند خیال کرتا ہے۔ دیوی کی قسم! میں ماتا سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں۔ امید ہے تم میری استدعا کو شرف قبولیت بخشوگی؟"

کپال ۔ "بتایئے تو سہی"۔

پجاری ۔ "صرف یہی بھیکسا مانگتا ہوں ۔ کہ اب پھر تم وہاں واپس نہ جاؤ"۔

کپال ۔ "کیوں ؟"

پُجاری ۔ "تمہارے جانے سے زندگی کی خیر نہیں ہے"۔

کپال ۔ "یہ تو مجھے خبر ہے"۔

پُجاری ۔ "تو پھر بتایئے"۔

کپال ۔ "وہاں نہ جاؤں تو پھر کہاں جاؤں ؟"

پجاری ۔ "اسی مُسافر کے ساتھ اپنے وطن کو چلی جاؤ"۔

کپال کنڈلا خاموش رہ گئی ۔ پُجاری نے کہا ۔ "بیٹی ! کیا سوچتی ہو"۔

کپال کُنڈلا ۔ "جب تمہارے شاگرد آئے تھے ۔ اور آپ نے کہا تھا ۔ کہ نوجوان عورت کو مردوں کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے تو پھر اب جانیکی رائے کیں لئے دیتے ہو ؟"

پجاری ۔ "اُسوقت تمہاری زندگی مُشتبہ نہیں تھی ۔ خصوصاً بہتر تدابیر کی جا سکتی تھیں ۔ چلو ماتا کی رائے بھی لے آئیں"۔

یہ کہہ کر پُجاری نے دیئے کو ہاتھ میں لیکر مندر کے دروازہ پر جا کر اُسے کھول دیا ۔ کپال کنڈلا بھی ہمراہ گئی ۔ مندر میں انسانی وجود کی مانند کالی کی مُورتی موجود تھی دونوں نے عقیدت سے سر جھکایا ۔ پجاری نے آچمن کر کے پھولوں کے ٹوکرے سے ایک بیل پتر لے کر پانی کے چھینٹے دیئے ۔ اور مُورتی کے قدموں پر نیوچھاور کر کے اسکی جانب متوجہ ہُوئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد کپال کُنڈلا سے پُجاری نے کہا ۔

"بیٹی! دیکھو۔ دیوی نے "ارگھیہ" قبول کر لیا ہے اور ہیں پتر نہیں گرا ہے جو سچے دل سے عقیدت بجا لاتا ہے۔ اس کا "ارگھیہ" قبول ہونا خوش بختی کی فال ہے تم اس مسافر کے ہمراہ بخوشی جاؤ۔ تاہم مجھے ہوس پرستوں کے طور واطوار سکا پورا پورا علم ہے۔ تم اگر پوری مستعدی کے ساتھ اس کے ہمراہ جاؤ گی۔ تو جان کار لوگوں میں ناواقف عورت کو بیجا کر ضرور شرمندہ ہوگا۔ لوگ تم سے بھی نفرت کریں گے۔ تم کہتی ہو کہ وہ براہمن ہے۔ گلے میں یگیوپویت ہے۔ اگر تمہارے ساتھ اس کا بیاہ ہو جائے تو اور بھی بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو میں تمہیں اس کے ہمراہ جانے کو کبھی نہ کہتا۔"

"بے ــ یا ــ ہ" یہ لفظ کپال کنڈلا نے نہایت آہستگی سے کہا اور کہنے لگی ــ "بیاہ کا نام تو میں نے تم سے سنا ہے۔ یہ بتاؤ۔ کہ بیاہ کسے کہتے ہیں؟ یہ مجھے پتہ نہیں اس کے لیئے کیا کچھ کیا جاتا ہے؟"

پجاری نے ذرا مسکرا کر کہا۔ "بیاہ عورتوں کے فرض کا ایک پہلو ہے۔ اسی لئے عورت کو رفیقۂ حیات کہتے ہیں۔ جگت ماتا پاربتی بھی بھگوان شو سے ازدواجی نسبت رکھتی تھی۔"

پجاری نے دل میں خیال کیا۔ کہ میں نے سب کچھ سمجھا دیا۔ کپال کنڈلا نے سوچا کہ میں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ اس سے کہا ــ "یہی کر دیجیئے۔ مگر اسے چھوڑ کر جانیکو جی نہیں چاہتا۔ کیوں کہ انہوں نے اتنا عرصہ میری پرورش کی ہے۔"

پجاری۔ "کسلیئے پرورش کی۔ کیا تم نہیں جانتیں؟" یہ کہہ کر پجاری نے سحر کاری سے عورتوں کا کس قدر تعلق ہے۔ واضح طور پر کپال کنڈلا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر کپال کنڈلا سمجھ نہ سکی۔ اس پر خوف طاری ہوا۔ اور بولی۔ "تو پھر بیاہ ہی کر دیجیئے۔"

اسکے بعد دونوں مندر سے واپس آئے۔ ایک کوٹھڑی میں کپال کنڈلا کو بٹھاکر پجاری نوکمار کے بستر کے قریب جاکر اسکے سرہانے بیٹھ گیا۔ اس نے دریافت کیا ۔" بھیا! کیا سو گئے ہو؟" نوکمار پر ابھی خواب طاری نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی غم میں غرق تھے۔ بولے "جی نہیں"۔ پجاری ۔" ہم آپ کا تعارف پانے آئے ہیں۔ کیا آپ براہمن ہیں؟"

نوکمار ۔"جی ہاں"۔ پجاری ۔"کس ذات کے؟" نوکمار ۔" راڑھیہ براہمن"۔

پجاری ۔" ہم بھی راڑھیہ براہمن ہیں۔ ہمیں انگل براہمن مت خیال کیجئے۔ خاندانی عظمت رکھتے ہیں۔ مگر اب تو ماتا کے قدموں میں پڑے ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

نوکمار ۔" نوکمار شرما"۔

پجاری ۔" جائے سکونت؟"

نوکمار ۔" سپت گاؤں"۔

پجاری ۔" آپ کس گاؤں کے باشندے ہیں؟"

نوکمار ۔" بندھ گھاٹی کے"۔

پجاری ۔" کتنی شادیاں کی ہیں؟"

نوکمار ۔" صرف ایک"۔

نوکمار نے ساری باتیں نہایت واضح کیں۔ در اصل اُن کا ایک بھی بیاہ نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے رام گوبند گھوش کی لڑکی پدماوتی سے بیاہ کیا تھا۔ مگر بیاہ کے چند یوم بعد پدماوتی میکے ہی رہی۔ اور اس دوران میں سسرال بھی آیا جایا کرتی تھی۔ جب تیرہ برس کی ہوئی۔ تو اسکے پتا قبیلہ سمیت جگدیش درشن کیلئے گئے تھے۔ اس وقت پٹھان لوگ جن کو شاہ اکبر نے بنگال سے نکال دیا تھا۔ اپنی فوجوں کے ہمراہ اُڑیسہ میں فروکش تھے

ان کی سرکوبی کے لئے شہنشاہ اکبر فوج کشی کرتے رہے۔ جب رام گوبند گھوش اڑیسہ سے واپس آئے۔ تو مغلوں اور پٹھانوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ اتنی بار وہ راستہ میں پٹھان کے ہاتھ آ گئے۔ اس وقت پٹھانوں کو نیک و بد کی تمیز نہیں تھی۔ وہ غریب مُسافر وں پر روپیہ کے لالچ سے حملہ آور ہوتے تھے۔ رام گوبند ذرا تیز طبع تھے۔ پٹھانوں سے ترشروئی سے پیش آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عیال و اطفال سمیت قید کر لئے گئے آخر کار اپنے آبائی دھرم کو چھوڑ کر قبول اسلام کے بعد مخلصی پائی۔

رام گوبند جب قبیلہ کے ہمراہ جان بچا کر گھر آئے۔ تو مسلمان بن جانیکی وجہ سے برادری سے خارج کر دئے گئے۔ اس وقت نوکمار کے پتا زندہ تھے۔ اسلئے انہیں برادری سے خارج قبیلہ کی بہو کو بھی چھوڑنا پڑا۔ اسکے بعد نوکمار کو اپنی استری نک کے درشن نہ ہوئے۔ برادری اور خاندان سے اخراج کے بعد رام گوبند گھوش زیادہ عرصہ وطن میں نہ رہ پائے کچھ اس وجہ سے اور قدرے شاہی مہربانی سے اعلیٰ عہدہ حاصل کرنیکی اُمید پر بار سمیت راج محل میں جا رہنے لگے۔

دوسرا مذہب اختیار کرنے کے بعد اسلامی نام بھی رکھوایا تھا۔ راج محل جانے کے بعد سُسر اور استری کے حالات سے جانکاری میں نوکمار کو کامیابی نہ ہوئی۔ اور ابھی تک کچھ سمجھ بھی نہ پائے تھے۔ نوکمار نے پھر بیاہ نہیں کیا۔ اسلئے میں کہتا ہوں۔ کہ نوکمار نے ایک بھی شادی نہیں کی تھی۔

پجاری کو ان حالات سے آگاہی نہیں تھی۔ اس نے خیال کیا۔ خاندانی آدمی کے لئے دو شادیوں میں جانے اعتراض نہیں ہے۔ بولا۔ "آپ سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔ اس لڑکی نے جس نے آپ کی زندگی بچا کر مُصیبت مول لی ہے جس شخصیت

کے زیر سایہ اسکی بود و باند ہے۔ وہ از حد تیز مزاج ہے۔ اُنکے پاس آپکی جو حالت ہوئی۔ اب اس پر گزرے گی۔ کیا آپ اس کے متعلق کوئی تدبیر سوچ سکتے ہیں؟" توکمار اُٹھ بیٹھا۔ اور بولا "میں بھی اسی خیال میں تھا۔ آپکو معلوم ہی ہے۔ اسکی تدبیر کیجئے میری قربانی سے بھی اگر اسکی بہبودی ہو سکے تو میں اسکے لیئے بھی تیار ہوں۔ میں یہ سوچ رہا تھا۔ کہ مردم خور کے پاس جاکر سر تسلیم خم کر دوں۔ شائد اس طرح اس کا بچاؤ ہو سکے"۔ پجاری نے ہنسکر کہا۔ "تم کیا پاگل ہو گئے ہو؟ بھلا اس سے کیا فایدہ؟ تمہاری زندگی بھی اکارت جائے۔ اور وہ اس بیچاری سے طیش زدہ بھی رہے۔ اسکی تو صرف ایک تدبیر ہے"۔ توکمار۔ "وہ کونسی؟" پجاری۔ "آپ کے ساتھ اسکی نسبت مگر یہ بڑی مصیبت ہے۔ ہمارے پاس رہنے پر ایک دو یوم میں ہی یہ پکڑی جائیگی۔ یہاں اس سادھو کی ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہے۔ اسلیئے کپال کُنڈلا کی قسمت میں خوش بختی کا امکان نہیں ہے"۔

توکمار نے مکرر اصرار سے کہا۔ "میرے ہمراہ فرار ہی میں کیا مشکل ہے؟"

پجاری۔ "یہ کس خاندان کی لڑکی ہے؟ کہاں پیدا ہوئی؟ یہ تو آپ کو علم نہیں ہے۔ کس کی عورت ہے؟ اس کا اخلاق کیسا ہے؟ اس کا بھی آپکو پتہ نہیں ہے۔ ان حالات میں کیا آپ اسے اپنے گھر میں جگہ دوگے؟ اور اگر آپ اسے آغوش عاقبت میں نہ رکھیں تو یہ بیچاری کہاں جائیگی؟"

توکمار نے لمحہ بھر سوچکر کہا۔ "زندگی بچانے والی کی حفاظت کے لئے کوئی بھی مشکل نہیں ہے۔ جس طرح میرے گھر گرہستی کے لوگ ہیں۔ اسیطرح یہ بھی رہیگی"۔

پجاری۔ "اچھا۔ جب آپ کے رشتہ دار دریافت کرینگے۔ کہ یہ کس کی گھر

والی ہے تو کیا جواب دو گے؟"

نوکمار نے پھر ذرا غور کے بعد کہا "آپ مجھے اس کا تعارف کرا دیجئے میں سب کو ویسا ہی بتاؤں گا"

پجاری۔ "بہتر۔ مگر اس طرح پندرہ روز کا سفر تم دونوں اکیلے کس طرح ختم کرو گے؟ لوگ کیا کہیں گے؟ آپ رشتہ داروں کو کیا کہیں گے۔ میں نے اس لڑکی کو اپنی بچی سمجھا ہوا ہے۔ اس لئے میں اسکو ناواقف نوجوان کے ہمراہ کیسے کر سکتا ہوں"

نوکمار۔ "آپ بھی ہمراہ ہو جایئے"

پجاری۔ "میں کس طرح ہمراہ ہو سکتا ہوں۔ بھوانی کی پوجا کون کرے گا؟"

نوکمار نے غمگین ہو کر کہا۔ "تو کیا آپ کوئی تدبیر نہیں کر سکتے؟"

پجاری۔ "صرف ایک تدبیر ہو سکتی ہے جو آپ کی فراخدلی پر انحصار رکھتی ہے۔"

نوکمار "وہ کیا ہے؟ میں ہر حالت میں تیار ہوں۔ جو تدبیر بتا دیجئے"

پجاری۔ "سنئے! یہ برہمن لڑکی ہے۔ مجھے اسکی ساری سرگزشت کا پتہ ہے۔ بچپن میں اسے نابکار عیسائی ڈاکو چرا کر لے جا رہے تھے۔ مگر ان کا جہاز ٹوٹ گیا۔ اس لئے انہیں اسکو سمندر کے کنارے چھوڑنا ہی پڑا۔ اس آپ بیتی کا آپ کو بعد میں علم ہو جائیگا۔ اس سادھو نے اپنی یوگ سادھی کی خواہش سے اسکی پرورش کی چند یوم میں وہ کامیاب ہو گیا۔ ابھی تک یہ کنواری ہے۔ اسکی زندگی بڑی با عفت ہے۔ آپ اس سے شادی کر کے گھر لیجائیں تو کوئی کچھ نہ کہیگا ہم شاستر کی ریتی سے بیاہ کرا دینگے"

نوکمار بستر سے اٹھ بیٹھا اور نہایت تیزی سے چہل قدمی کرنے لگا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ پجاری نے قدرے توقف کے بعد کہا "آپ فی الحال آرام کریں۔ کل صبح میں آپکو

بیدار کر دوں گا۔ اگر مرضی ہو۔ تو کیلیے چلے جانا۔ میں آپکو مبدنا پور کے راستے پہنچا آؤں گا"۔

اس کے بعد پجاری چلا گیا۔ اور دل ہی دل میں گویا ہوا۔ "داڑھیہ والوں کی پیشوائی کرنا میں بھول ہی گیا"۔

(۹)

صبح سویرے پجاری نے نوکمار کے پاس آکر دیکھا۔ کہ ابھی تک وہ سویا ہی نہیں۔ دریافت کیا۔ "کیا سوچا ہے؟"

نوکمار۔ "آج سے کپال کنڈلا میری دھرم پتنی ہو گئی۔ اگر اس کے لئے گھر چھوڑنا پڑے۔ تو کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن کنیا دان کون کرے گا؟"

چوڑامنی پجاری خوشی سے اچھل پڑا۔ جی میں سوچا۔ "اتنے عرصہ بعد بھگوان کی دیا سے کپال کنڈلا بھی ٹھکانے لگی۔" کھلے طور پر اس نے کہا۔ "کنیا دان میں کرونگا"۔

پجاری پھر اپنی خوابگاہ میں آیا۔ ایک جھولی میں کتنے ہی پرانے ٹوٹے ہوئے تال پتر تھے۔ ان پر تاریخ اور زائچہ بنا ہوا تھا۔ انکو اچھی طرح دیکھنے کے بعد بولا۔ اگرچہ آج بیاہ کیلئے مناسب اور نیک مہورت نہیں۔ تاہم کوئی خرابی کا امکان نہیں ہے۔ بعد دوپہر کنیا دان کر دوں گا۔ تم آج برت رکھو۔ ایک دن تک تم لوگوں کو در پردہ رکھ کر چھپا سکتا ہوں۔ اگر وہ سادھو آ سکے گا۔ تو بھی تمہارا پتہ نہیں پا سکیگا۔ ایسی پوشیدہ جگہ میری نظر میں ہے۔ بعد ازاں شادی ہو جانے پر گھر والی کو ہمراہ لے جانا"۔

نوکمار متفق ہو گیا۔ ان حالات میں جہاں تک ممکن تھا۔ شاستر کے مطابق کام کیا۔ بعد دوپہر کو کپال کنڈلا کا نوکمار کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔

سادھو کی کوئی خبر نہیں تھی۔ دوسرے دن تینوں سفر کی تدبیر کرنے لگے۔

Makhan Lal Mahajan

پجاری میدناپور کے راستہ تک انہیں پہنچا آئیگا۔ سفر کے وقت کپال کنڈلا کالی دیوی کو نمسکار کرنے کیلئے گئی۔ عقیدت سے سر جھکایا۔ اور ایک پھول لیکر دیوی کے قدموں پر رکھ دیا۔ اور اسکی طرف دیکھنے لگی۔ بیل پتر گر پڑا۔ کپال کنڈلا بڑی عقیدتمند تھی۔ بیل پتر کو گرتے دیکھ کر ڈر گئی۔ پجاری کو یہ بات کہہ دی کہ پجاری بھی اُداس ہو گیا اُس نے کہا۔ "اب کوئی بچاؤ کی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ اس وقت خاوند ہی تمہارا سب کچھ ہے۔ اگر شوہر شمشان میں جائے۔ تو تمہیں بھی اُس کی رفاقت کرنی چاہیئے۔ اسلئے خاموشی سے چلی جاؤ۔"

سب خاموشی سے چل دیئے۔ کافی دن چڑھنے پر میدناپور کے راستہ پہ آ گئے۔ جس وقت پجاری الوداع ہوا۔ کپال کنڈلا رونے لگی۔ کائنات میں جو آدمی اُس کا ہمدرد تھا۔ وہ جُدا ہو رہا ہے۔ پجاری بھی رونے لگا۔ اور آنسو پونچھ کر اسکے ہمگوش ہو کر کہنے لگا۔ "تم جانتی ہو کہ بھگوان کی دیا سے مجھے دولت کی کمی نہیں ہے۔ ہگلی کے سب ادنیٰ و اعلیٰ میری عقیدت بجا لاتے ہیں۔ تمہارے کپڑے میں جو گانٹھ دی ہے۔ اسے اپنے سوامی کو دیکر ایک پالکی کرایہ پر لے لینا اور اپنا ہمدرد خیال کر کے مجھے یاد رکھنا۔"

پجاری یہ کہکر روتا ہوا چلا گیا۔ اور کپال کنڈلا بھی روتی ہوئی چل دی۔

(۱۰)

نو کمار نے میدناپور پہنچکر پجاری کے دیئے ہوئے روپوں سے کپال کنڈلا کیلئے ایک نوکرانی۔ ایک محافظ۔ ایک پالکی اور کہاروں کا انتظام کر کے اسمیں سوار کرا کر روانہ کیا۔ اور خود پیدل چل پڑا۔ نو کمار تھکے ماندے تھے۔ اسلئے دوپہر کا کھانا کھانے

کے بعد کہار اُسے پیچھے ہی چھوڑ گئے۔ آہستہ آہستہ شام ہو گئی۔ سرما کے ہلکے بادلوں سے آسمان ابر آلود ہو گیا۔ شام بھی ہو چلی۔ چاروں طرف تاریکی مُسلّط ہو گئی۔ قدرے بُوندا باندی جاری ہُوئی۔ نوکمار کپال کنڈلا تک پہنچنے کو مستعد ہُوا۔ سوچتا تھا۔ کہ پہلی منزل پر ہی ملاقات ہو جائیگی۔ لیکن چلتے چلتے پڑاؤ بھی نزدیک نہ آتا تھا۔ رات پانچ چھ گھڑی گزر گئی تھی۔ نوکمار تیز رفتاری سے قدم بڑھانے لگا۔ اچانک کسی ٹھوس شے پر اُن کا پاؤں آ پڑا۔ پاؤں کے بوجھ سے وہ شے کڑکڑا کر ٹوٹ گئی۔ نوکمار کھڑا حیران رہ گیا۔ پھر آگے قدم رکھا تو بھی یہی حالت محسوس ہوئی۔ پاؤں میں جو شے پڑی تھی۔ اُسے ہاتھوں سے اُٹھا لیا۔ دیکھا تو وہ ایک تختے کا ٹکڑا ہے۔

بادلوں کے آسمان پر چھا جانے سے کبھی شاید ایسی تاریکی ہوتی ہو۔ کھلے میدان میں بڑی بڑی چیزیں بھی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ سامنے ایک بڑی سی شے نظر آئی۔ نوکمار نے سوچا۔ کوئی ٹوٹی ہوئی پالکی ہوگی۔ پھر خیال آیا۔ کہ کپال کنڈلا پر کوئی مُصیبت تو نازل نہیں ہوئی۔ پالکی کی طرف بڑھتے ہُوئے پھر اُسکا پاؤں کسی اور شے پر پڑا۔ وہ انسانی جسم کی مانند ملائم محسوس ہوئی۔ دیکھا تو انسانی جسم از حد خنک محسوس ہوا۔ ساتھ ہی اُس کے ہاتھوں میں کوئی گیلی شے بھی ہے۔ نبض دیکھی تو رفتار نہ تھا، رُوح پرواز کر چکی ہے۔ مگر کان لگا کر سُنا تو سانس کی آمد و شُد کا احساس سُنائی دیا۔ اگر سانس چلتا ہے تو نبض کیوں بند ہے؟ یہ کونسی بیماری ہے؟ ناک کے نزدیک ہاتھ لیجا کر دیکھا۔ سانس بند ہے۔ تاہم یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ یقیناً کوئی زندہ انسان قریب ہی ہوگا۔ یہ سوچکر آواز لگائی "کیا کوئی یہاں آدمی ہے؟"

مُردنی سی آواز میں جواب ملا۔ "ہے"! نوکمار نے کہا۔ "تم کون ہو؟" جواب ملا۔ "تم کون ہو؟" نوکمار کو یہ آواز کسی عورت کی جان پڑی۔ انہوں نے بڑبڑا کر پُوچھا۔ "کپال کنڈلا کیا تم ہو؟"

عورت "کپال کنڈلا کون ہے؟ مجھے اُس کا علم نہیں ہے۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ میں آنے سے مَیں ماری گئی ہوں"۔ یہ سُنکر نوکمار کو قدرے تسلی ہوئی اور دریافت کیا۔ "کیا گزری؟"

عورت۔ "ڈاکوؤں نے میری پالکی توڑ ڈالی۔ ایک کہار کو مار ڈالا۔ سارے زیور اُتار لے گئے۔ اور مجھے باندھ کر دوڑ گئے"۔

نوکمار نے تاریکی میں توجہ سے دیکھا۔ تو عورت پالکی میں کپڑے سے باندھی پڑی ہے۔ اُس نے بعجلت اُسکی گرہیں کھول دیں۔ اور کہا۔ "کیا تم اُٹھنے کی سکت رکھتی ہو؟"

عورت نے کہا۔ "مجھے بھی ایک لاٹھی پڑی تھی۔ پاؤں میں سخت درد ہے۔ ذرا امداد کرو۔ تو اُٹھوں"۔ نوکمار نے ہاتھ بڑھایا۔ عورت اسکی مدد سے اُٹھ بیٹھی۔ نوکمار نے کہا۔ "کیا چلنے کی ہمت ہے؟" عورت نے کوئی جواب نہ دیا اور کہا۔ "آپ نے کیا اپنے پیچھے کسی اور مُسافر کو آتے دیکھا ہے؟" نوکمار نے کہا۔ "نہیں"۔ عورت نے پھر سوال کیا۔ "سرائے کتنی دُور ہے؟" نوکمار۔ "کس قدر دُور ہے۔ یہ علم نہیں۔ لیکن معلوم ہوتی ہے۔ قریب ہی ہوگی"۔

عورت۔ "اندھیرے میں اکیلی میدان میں پڑی ہوں! سرائے تک آپکے ساتھ جانا مناسب ہو۔ شاید آپ کی مدد سے چل سکوں"۔

نوکمار "مصیبت میں ہچکچانا نہیں چاہیئے۔ میرے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر چلو۔ بیوقوفی نہ کرنا"۔ عورت سہارا لیکر چل پڑی سرائے دراصل قریب ہی تھی۔ اُس زمانہ میں سرائے پڑ ڈاکہ ڈالنے میں بھی بد معاش ڈاکوؤں کو خوف نہیں آتا تھا جلد ہی نوکمار سرائے میں پہنچ گیا۔ نوکمار نے دیکھا۔ کہ اس سرائے میں کپال کُنڈلا بھی ٹھہری ہے۔ اُسکے نوکروں نے ایک مکان لیا ہُوا ہے۔ نوکمار نے قریب ہی ایک کمرہ میں اس عورت کو ٹھہرایا۔ چراغ روشن کیا گیا۔ جب چراغ کی روشنی اس نازنین پہ پڑی۔ تو معلوم ہُوا کہ وہ ازحد خوشنما ہے شکل وصورت کی دلکشی سے شباب کا اُٹھان ساون بھادوں کے پُرموج دریا کی طرح اُمڈ رہا ہے۔

(۱۱)

بلاشبہ اگر یہ نازنین عصمت کی دیوی ہوتی۔ تو کہتے۔ مگر درحقیقت وہ عام گھر گرہستی کی عورت تھی اور خوبصورتی میں شیشہ کے عکس کی مانند دلکش۔ گو اس طرح کے بیان سے خوشنمائی کی انتہا تصوّر کی جاتی ہے۔ تاہم یہ کہنا کہ ہر پہلو میں وہ صفت باسمیٰ تھی۔ درست نہیں ہے۔ وہ ہر پہلو سے با صفت نہیں۔ اسکی ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اس کا جسم درمیانی قسم سے زیادہ طویل ہے۔ اور ہونٹ قدرے بھینچے اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ وہ رعنائی موجود نہیں جو کمال کا نمونہ ہوا کرتی ہے۔

جسم قدرے لمبا۔ ہاتھ پاؤں اور سینہ قدرے سڈول۔ برسات کے موسم میں جسطرح درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ اسی طرح اس کا جسم نکھر نکھر رہا تھا۔ اسی لئے جسم کی ساخت میں بھی کچھ جاذبیت کا عنصر موجود تھا۔ اور جن لوگوں کو رعنا کہا جاتا ہے۔ ان میں ماہتابی جھلک صبح صادق کی ضیاء بار شعاعوں کی مانند روشن نظر

آتی ہے۔ اس میں بھی یہ سب کچھ تھا۔ تاہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ شیام رنگ کی وجہ سے
وہ شیاما شیام سندری اور شیام رنگ والی ہے جس طرح کندن کو آنچ دیکر تپایا جاتا
ہے کچھ اسی قسم کا رنگ ماہتابی شعاعوں کی مانند راحت بخش سنہری، بادامی رنگ
کی سی جاذب۔ جو عام طور پر پُرشباب خواتین کی شانِ امتیازی ہوا کرتی ہے۔ اگر کوئی
اس قسم کی ماہ پارہ پر فدا ہونیوالا ہو۔ تو اسے قوتِ تمیز سے عاری نہیں کہا جائیگا۔ اگر
اس پہلو میں کسی کو جائے انکار ہو۔ تو وہ ذرا نیم وا آنکھوں کی چتون کے تبسم انداز کو یاد
تو کرے۔ ماہتاب کی سی صورت پر کانوں کے قریب لہراتی ہوئی زلفوں کی کشش تو دیکھے
وہ بادامی رنگ کے رخسار سُرخی مائل جھلک پر نظر تو ڈالے سیب آسا زنخدان
پُرکشش بینی، دہن پستہ سے مشابہہ۔ اسی لئے اس نازنین کو محبوبہ خیال کیا جائیگا۔ آنکھیں
بڑی بڑی تو نہیں لیکن اُنکی کج نگاہی نے دلک پیدا کر ڈالی ہے تیر بہدف نشانہ خطا
ہی نہیں ہوتا دیکھتے ہی دیکھتے منقلب ہوتی جاتی ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے۔ کہ جذبات
محبت سے سرشار ہیں۔ قدرے مستی کا احساس لئے ہوئے خمار آگیں اور گاہے
ماہے چنچل پن سے بادلوں کو چھیدتی ہوئی پُر ضیاء ہو رہی ہیں شکل و صورت کے دیکھنے
سے یہ احساس ہوتا ہے کہ تیز بین فراست غالب ہے یا خود نمائی کا پُر غرور مجسمہ ہے
اسی لئے جب وہ کمر سیدھی کر کے کھڑی ہوتی تھی۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ بلاشبہ یہ
کسی خاندانی کی رانی ہے۔

سن کوئی ستائیس سال کا ہوگا۔ ساون بھادوں کے پُر موج دریا کی مانند
رنگ بھی نکھرا ہوا، رنگت توجہ سے زیادہ پُرسحر۔ اسکی دلکشی سے مسحور ہونا یقینی
تھا شباب کے بوجھ سے جسم پر چلبلاہٹ، نیوں کے دور سے جس طرح سردی کے

موسم میں دریا کی لہریں تھراتی ہیں۔ اسکی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس چنچل پن سے لحہ بہ لحہ نئی دلکشی نمایاں ہو رہی تھی۔ نوکمار پوری توجہ سے یہ نیا سین دیکھ رہا تھا۔

نازنین نے نوکمار کو متوجہ دیکھ کر فی الفور کہا "کیا آپ میرا حسن دیکھ رہے ہیں"۔

نوکمار اعلٰی گھرانے کا آدمی تھا۔ سر جھکا لیا۔ یہ دیکھ کر پھر نازنین نے کہا۔ "کیا آپ نے کبھی عورتیں نہیں دیکھیں یا مجھے از حد خوبصورت خیال کیا ہے؟"

یہ بات عام طور پر نفرت معلوم دیتی ہے۔ لیکن نازنین نے جس انداز سے کہی۔ اُس سے نوکمار تاڑ گیا۔ کہ یہ بڑی باطونی ہے۔ باتونی کے سوال کا جواب کیوں نہ دیا جائے۔ اُسنے کہا۔ "میں نے عورتوں کو دیکھا ہے۔ مگر اس قسم کی دلکش عورت نہیں دیکھی؟"

نازنین نے تکبر سے پوچھا۔ "کیا ایک بھی نہیں؟"

نوکمار کے دل پر کپال کنڈلا کی تصویر منقش تھی۔ اسلیئے اس نے بھی اکڑ کر کہا "ایسا تو نہیں کہہ سکتا۔ کہ ایک بھی نہیں"۔

نازنین۔ "کیا وہ ایک آپ کی منسوبہ ہے؟

نوکمار۔ "کیسے؟ آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا؟"

نازنین۔ "بنگالی اپنی عورت کو سب سے خوشنما خیال کرتے ہیں"۔

نوکمار۔ "میں تو بنگالی ہوں۔ مگر آپ بھی بنگالنوں کی مانند گفتگو کر رہی ہیں۔

آپ کا کونسا وطن ہے؟" نازنین نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ بدقسمت بنگالن نہیں ہے۔ مغربی ممالک کی مسلمان عورت ہے۔" نوکمار نے دیکھا۔ اس کا لباس مسلمانوں کی ہی مانند ہے۔ مگر زبان تو بالکل بنگالنوں کی مانند ہے۔ کچھ دیر بعد خاتون ماہ طلعت نے کہا۔ حضور آپنے جالاکی سے میرا تعارف پالیا۔ اپنی

کیفیت تو بتایئے۔ اور جس خاندان میں وہ ایک خوشنما عورت ہے۔ وہ کونسا ہے؟

نوکمار۔ "میں سدپت گاؤں کا رہنے والا ہوں"۔

نازنین نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک توجہ پھیر کر چراغ اُکسانے لگی اور ایک ساعت بعد متوجہ ہو کر بولی۔ "میرا نام موتی ہے۔ کیا آپ بھی مجھے اپنا نام بتانے کی کوشش کریں گے۔

نوکمار۔ "میرا نام نوکمار شرما ہے"۔۔۔۔ چراغ گل ہو گیا۔

(۱۳)

نوکمار نے گھر کی مالکن سے دُوسرا چراغ لانے کو کہا۔ مگر چراغ آنے سے قبل اُسنے ایک سرد آہ بھی۔ چراغ کے آجانے کے بعد ایک مسلمانی لباس میں ملبوس نوکر آیا۔ نازنین نے اُسے دیکھ کر کہا۔ "یہ کیا؟ تمہیں اتنی دیر کیوں لگی؟ باقی لوگ کہاں ہیں؟"

نوکر۔ "سارے کہاروں کو اکٹھا کر کے لانے میں ہمیں دیر ہو گئی ہے۔ مگر پالکی کو ٹوٹا ہوا اور آپ کو نہ پا کر ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ کچھ لوگ ابھی وہیں ہیں اور کچھ تلاش کر رہے ہیں۔ میں یہاں پتہ لینے آیا تھا۔" موتی نے کہا۔ "تم ان لوگوں کو لے آؤ۔" نوکر سلام کر کے چلا گیا۔ وہ عورت تھوڑی دیر تک نرخدان پر ہاتھ ٹکائے بیٹھی رہی۔ نوکمار نے اجازت طلب کی۔ تو موتی خواب سے بیدار ہو کر چونک پڑی۔ اور پُوچھا۔ "آپ کہاں ٹھہرینگے؟"

نوکمار۔ "ساتھ کے کمرے میں"۔

موتی "... کے سامنے ... نے ایک پالکی دیکھی تھی۔ کیا اور بھی کوئی ہمراہ ہے؟"

نوکمار۔ "میری زوجہ!"

موتی کو پھر مخول کا موقعہ ملا۔ اور کہنے لگی۔ "کیا وہ بھی خوشنمائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی؟"

نوکمار۔ "دیکھنے پر علم ہو جائیگا۔"

موتی۔ "کیا میں اُنہیں دیکھ سکتی ہوں؟"

نوکمار (ذرا سوچکر) اس میں کوئی ہرج نہیں۔"

موتی۔ "ذرا نوازش کیجیئے۔ اس بے مثال عورت کے دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ میں آگرہ جا رہی ہوں۔ مگر فی الحال نہیں۔ آپ بھی چلیں۔ میں تھوڑی دیر بعد آپ کو بھی کہلا بھیجونگی۔"

نوکمار چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کئی نوکر نوکرانیاں بڑے سازو سامان کو لیکر آ پہنچے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد نوکمار کو پیغام ملا۔ کہ آپ کو بی بی نے یاد فرمایا ہے۔ نوکمار پھر موتی کے پاس پہنچا۔ اس دفعہ اور ہی رنگ بدل گیا تھا۔ اس نے نیا لباس پہنا ہُوا تھا۔ ہیرے جواہرات سے مزّین زردوزی سے منڈھا پوشاک اور زیورات میں ملبوس شان دلربائی کا ایک تعجب خیز نمونہ بنی ہوئی ہے۔ کیا بتائیں سر اور پیشانی آنکھوں کے قریب کانوں میں، گلے میں، اور بازوؤں میں، ہر طرف ہیرے پہنے، پکھراج جگمگا رہے تھے۔ نوکمار کی آنکھیں چُندھیا گئیں جس طرح آسمان پر بے انداز ستاروں کی درخشندگی سے خوشنمائی کا عالم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسکے جسم پر زیور دمک رہے تھے۔ موتی نے نوکمار سے کہا۔ "حضور! ذرا چلئے۔ آپ کی مالکن کو بھی دیکھ آؤں؟"

نوکمار۔ "اُس کام کے لئے زیور پہننے کی احتیاج نہیں تھی۔ میری عورت کے پاس تو کوئی بھی زیور نہیں ہے!"

موتی - "سمجھ لیجئے کہ زیور میں نے نمائش کے لیئے پہنے ہیں۔ عورتوں کے پاس اگر زیور ہو تو وہ ایسا ہی کرتی ہیں۔ اچھا چلیئے"۔

نوکمار - موتی بی بی کو لے کر چلے۔ جو نوکمار لائی تھی۔ وہ ہمراہ چلی اس کا نام رضیہ تھا۔ کپال کنڈلا اس کمرہ کی ہموار زمین پر بیٹھی تھی۔ ایک مدھم دیا ٹمٹما رہا تھا۔ کھلے ہوئے بے ترتیب سیاہ بال اُسکی پشت پر لہرا رہے تھے۔ موتی بی بی نے جب اُسے پہلے پہل دیکھا۔ تو لبوں پر قدرے تبسّم نمودار ہُوا۔ اچھی طرح دیکھنے کے لیئے وہ کپال کنڈلا کے پاس چراغ لے کر آئی۔ اُس وقت اس کے چہرے پر تبسم نہیں تھا۔ بلکہ متانت کے آثار نظر آتے تھے۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر کپال کنڈلا کو دیکھنے لگی۔ بالکل خاموش موتی اُسے دیکھ کر متحیر ہو اُٹھی۔ اور کپال کنڈلا بھی حیرت زدہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد موتی اپنے زیورات اُتارنے لگ گئی اور ایک ایک کر کے کپال کنڈلا کو پہنانے لگی۔ کپال کنڈلا چُپ تھی۔ نوکمار نے کہا "یہ کیا ہو رہا ہے؟" موتی نے بالکل جواب تک نہ دیا۔ زیورات پہنانے کے بعد موتی نے نوکمار سے کہا۔ "آپ نے درست فرمایا تھا"۔ ایسا پھول تو بادشاہ کے باغ میں بھی نہیں ہے۔ افسوس کہ دارالسلطنت میں بھی ایسی دلکشی نظر نہ آئی۔ یہ زیور تو اسی کی دلربائی کے لیئے ہیں۔ اسی لیئے پہنائے ہیں۔ کہ آپ بھی کبھی میری یاد کیا کریں گے"۔

نوکمار حیرت زدہ ہو کر بولا "یہ کیا فرمایا۔ یہ نو بیش قیمت زیورات ہیں میں کیسے لے سکتا ہوں"۔

موتی - "خدا کی مہربانی سے میرے پاس کافی زیورات ہیں۔ اگر انہیں یہ پہنانے سے مجھے راحت ملتی ہے تو آپ کیوں مُخل ہوتے ہیں"۔ یہ کہکر وہ خادمہ

کو لیکر چلی گئی۔ راستہ میں تنہائی پاکر رضیہ نے موتی بی بی سے پوچھا۔ بی جان! یہ کونسا شخص ہے شباب آور نازنین نے کہا ــــــ "میرا شوہر!"

(۱۳)

زیورات پر کیا گزری۔ یہ بھی سُن لیجئے۔ موتی بی بی نے ان کو محفوظ رکھنے کیلئے ایک ہاتھی دانت کا نقرئی ڈبہ بھیجدیا۔ ڈاکوؤں کو تھوڑی سی شئے ہی ہاتھ آئی تھی۔ کافی کچھ بچ گیا تھا۔

نو کمار نے ایک دو زیورات کو چھوڑ کر باقی ڈبہ میں رکھ لیئے۔ دوسرے علی الصبح موتی بی بی نے بردوان اور نو کمار نے سپت گاؤں کی طرف مراجعت کی۔ نو کمار نے کپال کنڈلا کو پالکی پر سوار کر کے زیورات کا ڈبہ بھی ساتھ ہی رکھ دیا۔ کہار نہایت سرعت سے چل پڑے۔ نو کمار پیچھے رہ گیا۔ کپال کنڈلا پالکی کا پردہ ایک طرف کر کے راستہ کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ایک گداگر اسے دیکھ کر خیرات مانگتا ہوا پالکی کے ہمراہ دوڑنے لگا۔

کپال کنڈلا۔ "میرے پاس تو کچھ نہیں۔ تمہیں کیا دوں؟"

گداگر نے کپال کنڈلا کی ایک آدھ زیور کی طرف انگشت نمائی کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا ہے مائی! جسم پر تو جواہرات سے زینت افروز زیور ہیں اور کہتی ہیں کہ کچھ نہیں!"

کپال کنڈلا نے کہا۔ "کیا زیور ملنے پر راضی ہو جاؤ گے؟"

گداگر کچھ دیر ساکت و صامت رہنے کے بعد زبان حریص کو دراز کرتا ہوا بولا۔ "کیوں نہیں؟"

کپال کنڈلا نے سادہ دلی سے زیورات کا ڈبہ گداگر کے ہاتھ میں دے دیا

جسم کے باقی زیور بھی اُٹھا دِئے۔ گدا گر ذرا چونک اُٹھا۔ خادم اور خادمہ سمجھ نہ پائے
گدا گر کو حیرت لگاتی تھی۔ چاروں طرف دیکھ کر زیورات کا ڈبہ لئے وہ رفوچکر ہو گیا
اور کپال کنڈلا یہ سوچتی رہی کہ گدا گر بھاگ کیوں گیا۔

(۱۴)

نوکمار کپال کنڈلا کو لے کر وطن پہنچ گیا۔ اُس کا باپ مر چکا تھا۔ گھر میں بیوہ
ماں اور دو بہنیں تھیں۔ بڑی بہن بھی بیوہ تھی اور چھوٹی شیام سُندری شادی
شدہ ہونے پر بھی بیوہ تھی۔ کیونکہ اعلیٰ گھرانے میں شادی ہونیکی وجہ سے میکے بیٹھنے
پر مجبور ہو گئی تھی۔ اگر کم سنی میں نوکمار شادی کر کے دُلہن کو لے آتے تو اس کے
رشتہ دار کہاں تک خوش ہوتے۔ یہ بتانا آسان نہیں ہے۔ تاہم موجودہ حالت میں
اُسے کوئی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑی۔ سب لوگ اسکی واپسی کے معاملہ پر مایوس تھے
اس کے ہمراہی مُسافروں نے آکر کہہ دیا تھا۔ کہ نوکمار کو شیر ہلاک کر گیا۔ اُنہوں نے
تو اپنے خیال کیمطابق دُرست ہی کہا تھا۔ مگر اس معاملہ پر غور کرنے سے اُن کے تخیل
کی تکذیب ہو گی۔ ایسے رفیقوں نے یقینی طور پر کہہ دیا تھا۔ کہ نوکمار کو نوچتے
ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے۔ شیر کتنا بڑا تھا۔ اس پہلو پر بھی لے دے
ہوئی کسی نے کہا۔ شیر آٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ کسی نے چودہ ہاتھ بتایا۔ بوڑھے مُسافر
نے کہا۔ جیسا بھی ہو۔ میں تو بال بال بچ گیا۔ شیر پہلے میری طرف ہی جھپٹا تھا۔
مگر میں دوڑ آیا۔ نوکمار اس قدر باحوصلہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ بھاگ نہ سکا۔"
جب اس حادثہ کے متعلق نوکمار کی ماں نے باتیں سُنیں۔ تو گھر میں اس قدر
کُہرام مچا کہ کئی یوم تک نالہ و فغاں بند نہ ہُوا۔ بیٹے کی موت کی خبر سے ماں ستر

مرگ پر گر گئی - ان حالات میں جب نوکمار دُلہن کو لے کر گھر پہنچے - تو اس سے کون دریافت کرتا کہ تیری دُلہن کس ذات برادری کی ہے - سب کو بڑی مسرت ہوئی۔ نوکمار کی ماں بڑے ٹھاٹھ سے دُلہن کو گھر لے آئی۔

جب نوکمار نے دیکھا - کہ کپال کنڈلا کو باعزت طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ تو اسکی خوشی کی انتہا نہ رہی - نفرت کے خوف سے اس سے قبل اسکو حاصل کرنے پر بھی وہ انتہا محفوظ نہیں ہوا تھا - اس کے دل پر کپال کنڈلا کی تصویر منقش تھی - یہی وجہ تھی کہ پہلے پہل وہ کپال کنڈلا کے بیاہ کی تجویز سے فی الفور متفق نہیں ہوا تھا - اور راستہ میں بالکل ہی اظہار نہیں کیا تھا - اور نہ ہی اُسنے ہوسکے جذبات پر مسرت کی لہر اُٹھنے دی تھی - اب وہ شبہ دُور ہو گیا - پانی کی لہر کو روکنے کے لئے بچاؤ پاش پاش کرکے پار ہو جانے کی حالت پر جس طرح بے انداز جوش دکھائی دیتا ہے - اسی طرح جوش نوکمار کی محبت کے جذبات اُمڈ پڑے۔

اس قسم کی باتوں سے ہی ہمیشہ وابستہ نہیں رہتی - نوکمار جب پُر محبت انداز میں کپال کنڈلا کی طرف دیکھتا اور فریب سے بہانہ بنا کر اس کے پاس پہنچتا - تو فی الفور راز فاش ہو جاتا تھا جب بلا مطلب کپال کنڈلا کا ذکر چھیڑتا یا کپال کنڈلا کی طبیعت کے متعلق استفسار کرتا تو اس کا اسی وقت پتہ چل جاتا - اسکی فطرت تک بدل گئی تھی - چلبلاہٹ کی جگہ متانت نے غلبہ پا لیا - اُداسی رفوچکر ہو گئی۔ فرحت نے قابو پا لیا - نوکمار کا چہرہ ہر لمحہ مسرت سے لبریز نظر آتا - دل محبت سے بھرپور تھا اسی لئے وہ لوگوں سے بھی محبت کرنے لگا - ہر ایک سے محبت کرنی چاہیئے - اور اسے محسوس ہونے لگا - کہ کائنات کا انحصار بھی اسی جذبہ پر

ہی ہے۔ دُنیا خوش گل نظر آتی تھی یحبت ہی کشش اور اُلفت اور نیست کو ہست کرنے والی ہے۔ اسی سے تاریکی پر اُجالا غالب آتا ہے۔

کپال کنڈلا کے انداز ذرا آپ بھی آ کر دیکھئیے۔

(۱۴)

سب کو علم ہے کہ زمانہ قدیم میں سپت گاؤں ایک مشہور جگہ تھی۔ کسی وقت تو دیپ سے روم تک کے بیوپاری یہاں تجارت کے لیئے آیا کرتی تھے۔ مگر بنگال کے سپت گاؤں کی شان دسویں، گیارھویں صدی سے کم ہوتی چلی جا رہی تھی اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ اس شہر کے کنارے کے ساتھ ہی جو دریا بہتا تھا۔ اس وقت اس کا زور گھٹنے لگا تھا۔ اس لیئے بڑے بڑے جہازوں کی آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی۔ تجارت کم ہوتی چلی گئی۔ جب تجارت برباد ہو گئی۔ تو عظمت کہاں رہتی۔ سپت گاؤں کا درجہ ہُگلی کو مل گیا تھا۔ پرتگیزوں نے وہاں تجارت کر کے سپت گاؤں کی دولت کو برباد کر دیا۔ تاہم سپت گاؤں فی الفور کھنڈر نہیں بنا۔ ابھی تک وہاں کچھ بڑے بڑے شاہی لوگ رہتے تھے۔ لیکن شہر بے رونق ہو کر ایک گاؤں کی صورت میں متبدل ہو گیا تھا۔

سپت گاؤں کے ایک اُجاڑ حصہ میں نوکمار کی جائے رہائش تھی۔ اسی لیئے غیر آباد ہونے سے وہاں لوگوں کی چہل پہل کم تھی۔ بڑی بڑی سڑکیں گوڑے سے بھری ہوئی تھیں۔ نوکمار کی مکان کی پشت پر ایک گھنا جنگل تھا۔ ادھر سے نصف کوس کی دوری پر برساتی نالہ تھا۔ وہ نالہ ایک چھوٹے سے میدان سے گزرتا ہوا اُس گھر کے پشت والے جنگل تک آ گیا تھا۔ مکان خشت ہائے پختہ

سے بنا ہُوا تھا۔ اِسے ہم معمولی مکان نہیں کہہ سکتے۔ مکان دو منزلہ تھا۔ زیادہ بلند بھی نہیں تھا۔ آجکل تو ایک منزل کے مکان بھی اس قدر بلند نہیں ہیں۔

اُس مکان کی چھت پر دو نوجوان لڑکیاں کھڑی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ شام ہو رہی تھی۔ چاروں طرف پُر لطف نظارہ تھا۔ قریب ایک بیابان تھا جس میں بے شمار پرندے چہچہا رہے تھے۔ دوسری طرف نالہ نقری تار کی مانند چمک رہا تھا۔ ایک طرف پُر رونق بلند و بالا عمارتیں نظر آتی تھیں تیسری طرف بہا گیر بہتی میں کشتیاں بہہ رہی تھیں۔ شام کی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔

مکان پر جو دو لڑکیاں کھڑی تھیں۔ ان میں ایک چاند کی مانند چمکدار بکھرے ہُوئے بالوں میں نیم عُریاں۔ دُوسری قدرے سانولی پُر شباب اور مست تھی۔ اُسکا چہرہ چھوٹا تھا۔ گھنے گھنے بال پُشت پر لہرا رہے تھے جسطرح کنول پر بھنورا منڈلاتا ہے۔ اُسکی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مچھلی کی آنکھوں کی مانند چمکدار تھیں۔ اُسکی چھوٹی چھوٹی اُنگلیاں گیت کی لے میں غوطہ زن تھیں۔ یہ شباب اور کپال کنڈلا تھی۔ اور دوسری اسکی نند شیام سُندری تھی۔

شیام سُندری بھرجائی کو کبھی بہو اور کبھی بہن کہہ کر پکارتی تھی۔ اور مرنا کے نام سے مخاطب کرتی تھی۔ ہم بھی اسی لیے کبھی کبھی مرنا مٹی کہیں گے۔

شیام سُندری کافی دیر سے باد ایک گیت گانے لگی۔ اور کہا۔ "کیا اب بھی ان بادلوں کو نہیں باندھو گی؟" اُس نے مسکرا کر شیام سندری کے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو چھڑالیا۔ شیام سندری نے پھر کہا۔ "اچھا میری بات تو پُوری کرو۔

ایک بار نئی دُلہن کی مانند سنگار کرو۔ کب تک اس طرح ہی رہو گی؟

کپال کنڈلا۔" جب میری براہمن سے ملاقات ہوئی تھی۔ تو اُس وقت بھی میں اسی طرح ہی تھی"۔ شیام سندری۔" مگر اب تو نہیں چاہیئے۔ کپال کنڈلا۔" کیوں نہیں"؟

شیام سُندری۔" دیکھو۔ تو میں تمہاری خاموشی توڑ ڈالونگی۔ کیا جانتی ہو۔ پارس کسے کہتے ہیں؟"

کپال کنڈلا۔" نہیں"۔

شیام سندری۔" پارس کے چھُو جانے سے پھر لوہا بھی سونا ہو جاتا ہے"۔

کپال کنڈلا۔" تو پھر کیا؟"

شیام سُندری۔" عورتوں کے پاس بھی ایک پارس پتھر ہوتا ہے"۔

کپال کُنڈلا۔" وہ کونسا؟"

شیام سُندری۔" مرد! مرد کی ہوا لگنے سے عورت کو بھی تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ تُم نے اسی پتھر کو چھُوا ہے"۔

کپال کنڈلا۔" درست فرمایا میں سمجھ گئی۔ مان لو۔ میں نے پارس کو چھُو لیا ہے۔ اور سونا ہو گئی ہوں۔ زلفوں کو بھی باندھ لیا ہے اور لباس بھی زیب تن کر لیا ہے اور سر پہ پھُول چڑھائے۔ گلے میں ہار اور کانوں میں کرن پھُول پہنے اور سُنہری پتلیوں کی مانند خوشنما ہو گئی۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ اس میں کونسی راحت ہے؟"

شیام سُندری۔" یہ تو بتاؤ۔ کہ پھُولوں کے کھلنے میں کونسی مسّرت پنہاں ہے؟"

کپال کنڈلا۔" اُن کو دیکھ کر لوگوں کو آرام ملتا ہے۔ پھُولوں کو تو نہیں"۔

یہ سُنکر شیام سُندری قدرے مغموم ہو گئی۔ اسکی کنول کی مانند دو بڑی

بڑی آنکھیں بادِ نسیم کے جھونکوں سے کمل کی پتیوں کی مانند لرزنے لگیں اور بولی۔ "پھولوں کو کیا یہ تو نہیں بتا سکتی کبھی خندہ گل کی کیفیت کو دیکھا نہیں ہے۔ اگر تمہارے مانند رعنائی برگ ہوتی۔ تو اس کیفیت کا احساس ہوتا۔"
شیام سُندری نے اسے دیکھ کر کہا۔ "اچھا! اگر مان لیں کہ ایسا ہو جائے تو تمہیں کونسی راحت ملیگی۔

کپال کنڈلا نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "بیان نہیں کر سکتی لیکن یہ خیال آتا ہے کہ اُسی ساحلِ سمندر پہ پھرنے سے ہی مجھے راحت ملیگی۔"
شیام سندری ذرا متحیر ہو اُٹھی۔ اِن کے اس قدر حسنِ سلوک سے بھی اُسے چین نہیں ہے۔ بلکہ گھبرائی سی ہے۔ ذرا ناراض معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے کہا۔ "اب پھر وہاں جانیکی تدبیر تو بتاؤ؟"
کپال کنڈلا۔ "کوئی تدبیر نہیں ہے!"
شیام سُندری۔ "اب کیا کروگی؟"
کپال کنڈلا۔ "پجاری کہتا تھا۔ جو کرنا پڑے سے کرو۔"
شیام سُندری۔ "منہ میں آنچل لیکر مُسکرانے لگی اور بولی۔ "جو حکم ہو حضور! بتلایئے پھر کیا ہو؟"
کپال کنڈلا نے ایک سرد آہ لی اور کہا۔ "جو مقدر میں لکھا ہے ہوگا۔"
شیام سندری۔ "قسمت میں اور کیا لکھا ہے مقدر میں سُکھ ہے۔ تم سرد آہ کیوں بھرتی ہو؟"
کپال کنڈلا۔ "جس دن میں نے سوامی کے ہمراہ سفر کیا۔ اُس وقت بھوانی

کے چرنوں میں بیل پتر چڑھانے گئی۔ میں ماتا کے چرنوں پر بیل پتر چڑھا کر ہی سب کام کرتی ہوں۔ اگر نیک فال ہو۔ تو ماتا بیل پتر قبول کر لیتی ہے۔ وگرنہ نحوست کی یہ نشانی ہوتی۔ کہ بیل پتر گر پڑتا ہے۔ واقفیت کے بغیر انجان مرد کے سامنے آنے میں ہچکچاتی۔ ماتا نے بیل پتر قبول نہیں کیا۔ نہیں جانتی۔ اس قسمت میں کیا لکھا ہے"۔ کپال کنڈلا۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ اور شام شمندر کی لہر اٹھی۔

(۱۶)

جب نوکمار کپال کنڈلا کو لے کر سرائے سے روانہ ہوا۔ تو موتی بی بی دوسرے راستہ سے بردوان روانہ ہوئی۔ راستہ کے سفر سے پہلے میں اُن کے حالات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ اُس کی زندگی سیاہ کاریوں سے مملو تھی۔ مگر اُن کے باوجود ان میں بے شمار صفات تھیں۔ اُمید ہے کہ اُن کے حالات باعثِ نفرت نہیں ہوں گے۔

اس کے باپ کے آغوشِ اسلام میں داخل ہونے پر موتی کا نام لطف النسا رکھا گیا۔ مگر اکناف عالم میں سفر و حضر کی وجہ سے عوام کو وہ اپنا نام موتی بتایا کرتی تھی۔ اس کے والد ڈھاکہ میں آ کر شاہی عہدہ پر تعینات ہوئے تھے۔ مگر اس جگہ ان کے ہموطنوں کی کافی حد تک آمد و رفت سے انہوں نے برادری سے اخراج کی خمر ساری سے بچنے کے لئے اتنا مناسب خیال نہ کیا۔ تھوڑے عرصہ میں ان پر صوبیدار کی نظر عنایت بڑھ گئی۔ اور ان کے چند افسران شاہی کے نام پروانے لیکر آگرہ چلے گئے۔ شہنشاہ اکبر سے کسی کی خدمات پوشیدہ نہیں رہا کرتی تھیں۔ اس لئے جلد ہی ان کی شہرت کا انہیں پتہ چل گیا۔ لطف النسا کے والد جلد ہی ترقی پذیر ہو کر آگرہ کے شاہی اُمراء میں شمار ہونے لگے۔ دوسری طرف لطف النساء شباب کی انتہائی منزل کے قریب پہنچ گئی۔ آگرہ میں آ کر اس

نے فارسی سنسکرت اور گانا وغیرہ بھی سیکھ لیا۔ دارالسلطنت کی بے شمار ناز آفرینوں میں افضل تر ہو گئی۔ افسوس تو یہ ہے کہ دوشیزگی کے عالم میں بھی وہ دھارمک خیالات کے لحاظ سے کوری تھی۔ لطف النساء کے نوجوان ہونے پر معلوم ہونے لگا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتی۔ ضبط سے عاری ہے۔ بھلے بُرے کی تمیز کہاں۔ جو جی میں آتا ہے کرنے لگ جاتی ہے۔ خواہشات شباب کی سیری میں عموماً گناہوں کی آبیاری ہونے لگتی ہے۔ یہی حال لُطف النساء کا تھا۔ اس کے پہلے خاوند موجود تھے۔ اس لئے کوئی امیر اُس سے تعلقات ازدواج قائم کرنے پر رضامند نہیں ہوتا تھا۔ اُسکو بھی شادی کی اتنی تحریک نہیں تھی جس میں خیال آیا گلستان عالم کے گاؤں کی مہک سے لطف اُٹھانے والا نور ابھی کبھی پسند کرتا ہے پہلے پہل مطعون ہوئی۔ پھر راز فاش ہوا۔ اُس کے باپ نے غصہ میں آکر گھر سے نکال دیا۔

لطف النساء تنہائی میں جن لوگوں پر مہربان ہوا کرتی تھی۔ ان میں ایک شہزادہ سلیم بھی تھا۔ ایک اعلیٰ خاندان پر داغ لگا کر بادشاہ کو طیش نہ آجائے۔ اسی خیال سے شہزادہ سلیم لطف النساء کو اپنے محل میں رکھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اب موقع مل گیا۔ مہاراجہ مان سنگھ کی بہن شہزادہ کی بڑی ملکہ تھی۔ شہزادہ نے اسکو ملکہ کی مصاحبت میں لے لیا۔ لطف النساء بظاہر ملکہ کی سہیلی مگر درحقیقت شہزادہ کی رفیقہ اور کائنات دل کی مالک تھی۔ لطف النساء جیسی عقلمند عورت کا چند دنوں میں ہی شہزادہ کے دل پر اقتدار پا جانا شک و شُبہ سے بالا ہے۔ سلیم کے دل پر اُس کی محبت کے نقوش اس قدر گہرے ہو گئے۔ لطف النساء ہی نہیں۔ بلکہ سب کو ایسا یقین ہو گیا تھا۔ اسی خیال میں لطف النساء زندگی کی گھڑیاں گن رہی تھی۔ کہ اچانک اس کا خواب رفوچکر ہو گیا۔ شہنشاہ اکبر کے

وزیر اعتماد الدولہ کی لڑکی مہر النساء عدیم المثال ماہ پارہ تھی - ایک روز اعتماد الدولہ نے سلیم اور دیگر امیروں کو مدعو کیا - اسی روز مہر النساء کی سلیم سے پہلی ملاقات ہوئی - اور قمار محبت میں سلیم نے بازی ہار ڈالی - اس کے بعد جو کچھ گزری اس کا ذکر تمام تواریخوں میں پایا جاتا ہے - شیر افگن خان ایک بڑے امیر کے ساتھ مہر النساء کی نسبت پہلے ہی ہو چکی تھی - سلیم نشہ محبت میں اسیر ہو کر اس رشتہ کو توڑنے کے لئے شاہ اکبر سے متدعی ہوئے - مگر انہیں مطعون ہونا پڑا - لاچار اس وقت تو سلیم خاموش ہو گیا - مگر امید بنائے رکھی - لطف النساء سلیم کے عادات و اطوار سے خوب واقف تھی - اس نے سمجھ لیا - کہ شیر افگن کی زندگی کی خیر نہیں ہے - اکبر کے آنکھیں بند کرنے تک ہی یہ کھیل ہے - مہر النساء ہی سلیم پر اقتدار پائے گی - اسی خیال سے لطف النسا نے اس خیال خام کو چھوڑ دیا -

شہنشاہ اکبر کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا جس شہنشاہ کے جلال سے ترکستان سے بنگال تک کو متخائف تھے - وہ آفتاب غروب ہو گیا - اس وقت لطف النساء نے اپنی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ناکام کوشش کی -

مہاراجہ مان سنگھ کی بہن سلیم کی بڑی بیگم تھی - اس کا لڑکا خسرو تھا - ایک روز بیگم کی شاہ اکبر کے سر درد کے متعلق لطف النساء سے گفتگو چل پڑی راجپوت بیگم اب بادشاہ کی ملکہ ہو گی - یہ ذکر چھیڑ کر لطف النساء نے اسے اکسایا - جواب میں خسرو کی ماں ہوتی ہے - اس کا درجہ سب سے بلند ہوتا ہے یہ جواب سنکر لطف النساء کے دل پر ایک عجیب تصور غالب آیا - اس نے کہا: "یہ کیوں نہیں؟ کیا آپ ایسا نہیں کر سکتیں؟" بیگم نے کہا: "کس طرح؟" وہ بولی: "شہزادہ خسرو کو تخت پر بٹھا دیجئے"

بیگم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس روز پھر یہ بات نہ چلی۔ مگر اس بات کا خیال دل سے محو نہ ہُوا۔ شوہر کی بجائے لڑکا تخت شاہی پہ بیٹھے۔ بیگم ایسا نہیں چاہتی تھی۔ سلیم کی مہر النساء سے محبت لطف النساء کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ یہی حالت خسرو کی ماں کی بھی تھی۔ مان سنگھ کی بہن مسلمان بیگم کے ماتحت رہے گی۔ یہ بہتر نہیں تھا۔ لطف النساء اس جذبۂ نفرت کو بیدار کرنے میں زبردست معاوی تھی۔ دوسرے دن جب بات چیت چلی۔ تو دونوں متفق ہوگئیں۔

سلیم کو برعکس خسرو کے تخت سلطنت پر بٹھانا ناممکن ہے۔ یہ خیال لطف النساء نے بیگم کے ذہن نشین کر دیا۔ اس نے کہا مغلوں کی سلطنت راجپوتوں کے زور بازو پر قائم ہے۔ اسی قوم کے راجہ مان سنگھ خسرو کے ماموں ہیں اور خان اعظم وزیر اعظم ہیں۔ وہ خسرو کے خسر ہیں۔ ان دونو کی قوت بازو سے کیا نہیں ہو سکتا۔ سب ان کا حکم مانیں گے۔ اس حالت میں سلیم کا تخت پر بیٹھنا ممکن نہیں۔ راجہ مان سنگھ کو آپ تیار کریں۔ اور خان اعظم کو میں تیار کر دوں گی۔ آپ کی دعا سے بشرور کامیاب رہوں گی۔ مگر ڈرتی ہوں۔ اگر کہیں سلیم کامیاب ہوگیا۔ تو مجھے شہر بدر نہ کر دے۔

بیگم نے مصاحبہ کا مطلب بھانپ لیا۔ اور مسکرا کر کہا۔ تم آگرہ کے جس امیر کی بیگم بننا چاہو۔ بن سکتی ہو۔ تمہارا شوہر پانچ ہزاری منصب کا مالک ہوگا۔

لطف النساء کو تسلی ہوگئی۔ یہی اس کا مقصد تھا۔ اگر دارالحکومت میں معمولی عورتوں کی طرح رہنا پڑے تو خاک زندگی ہے۔ اور اگر آزادی میں خلل آیا۔ تو مہر النساء کی مصاحبت میں کونسی تکلیف ہے۔ اسکی بجائے

کسی بڑے امیر کی رفیقہ حیات بننا کافی بہتر ہے۔ صرف اسی غرض کو مد نظر رکھ کر ہی لطف النساء نے یہ دام فریب نہیں بچھایا۔ بلکہ یہ بات بھی ناقابل برداشت تھی۔ کہ سلیم اپنی آنکھوں کے سامنے مہر النساء سے محبت کے ڈورے ڈالتا تھا۔ اس کا بدلہ لینا بھی اس کا اہم مقصد تھا۔

خان اعظم اور دہلی و آگرہ کے اُمراء لطف النساء کے ممنون احسان تھے۔ خان اعظم دارا کی بہتری کے لیئے مستعد ہوئے۔ اس کے ہمراہ اور بھی اُمراء تھے۔ خان اعظم نے لطف النساء سے کہا۔ فرض کرو۔ اگر کسی وجہ سے ہم ناکام رہیں۔ تو ہم پر کیا گزریگی۔ اس لیئے جان کی حفاظت کے لیئے ایک راستہ تیار رکھنا چاہیئے۔"

لطف النساء نے کہا۔ "آپ کی کیا رائے ہے"؟ خان اعظم نے کہا۔ "اڑیسہ کے علاوہ اور سب طرف کی خبر ہے۔ وہاں ہی ہمارے پاؤں اچھی طرح جمے ہوئے نہیں ہیں۔ اس جگہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھنی چاہیئے تمہارا بھائی اڑیسہ کا منصب دار ہے۔ ہم کل مشہور کر دینگے۔ کہ وہ لڑائی میں زخمی ہو گیا ہے۔ اور تم کل ہی اسکی تیمارداری کے لیئے اڑیسہ چلی جانا۔ وہاں جو کچھ کرنا ہو کر کے جلد واپس آ جانا۔

لطف النساء نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ وہ جب اڑیسہ سے واپس آ رہی تھی۔ تو نوکمار سے اسکی ملاقات ہوئی تھی ؛

(۱۷)

جس دن نوکمار کو الوداع کہہ کر موتی بی بی نے بردوان کا رُخ کیا۔ اس روز وہ بردوان تک پہنچ نہ پائی۔ ایک سرائے میں ٹھہری۔ وہاں شام کو رضیہ سے بات چیت کر رہی تھی۔ کہ موتی نے رضیہ سے دریافت کیا۔ رضیہ میرا شوہر

دیکھا ہے۔ وہ کیسا ہے۔

رضیہ ذرا متحیر ہو کر بولی "کیسا؟ دیکھ لو نگی"۔ موتی نے کہا۔ "خوبصورت ہے یا نہیں؟"

نو کمار سے متعلق رضیہ زیادہ بھر آگئی۔ جو زیور کپال کنڈلا کو موتی بی بی نے دیئے تھے۔ اُن پہ رضیہ کی نگاہ تھی۔ جی میں آیا ہوا تھا۔ کہ کسی دن انہیں حاصل کرلے گی۔ مگر اُمید اکارت گئی۔ اس لیئے کپال کنڈلا اور نو کمار دونوں پر اُسے کافی غصہ تھا۔ اِسلیئے وہ بولی "غریب براہمن کی خوبصورتی اور بدصورتی ہی کیا ہوتی ہے"۔

موتی بی بی نے رفیقہ سے دِلی جذبات لوٹا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ اگر اُمراؤں میں شامل ہو جائیں تو کیا اچھے معلوم نہیں ہوں گے"۔ رضیہ پھر کیا کہنا ہے" موتی "کیا تم نہیں جانتیں۔ کہ بیگم نے قبول کر لیا ہے۔ کہ خسرو کے بادشاہ ہونے پر تیرا شوہر اُمراء سے ہوگا"۔

رضیہ "یہ تو علم ہے۔ مگر تمہارا پہلا شوہر کس طرح اُمراء سے ہوگا؟"

موتی۔ "پھر میرا کون شوہر ہوگا؟"

رضیہ۔ "جس سے نکاح ہو!"

موتی نے مسکرا کر کہا "میرے جیسی پاک دامن کے دو شوہر۔ بڑے غضب کی بات ہے۔ دیکھ وہ کون جا رہا ہے"۔

جس کو دیکھ کر موتی کو اشارہ کیا تھا۔ وہ خان اعظم کا نوکر تھا۔ دونوں گھبرا گئیں۔ رضیہ نے اسے پکارا۔ اُس نے آکر لطف النساء کو سلام کیا۔ اور ایک خط دے کر کہا۔ "خط لے کر ڈڑلیسہ جا رہا تھا۔ نہایت ضروری ہے"۔

خط پڑھ کر موتی بی بی کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس میں یہ لکھا تھا۔ ہماری کوشش اکارت گئیں۔ موت کے عالم میں بھی اکبر نے اپنی عقل سے

کے زور سے ہمیں ہزیمت دلائی۔ وہ انتقال کر گئے۔ اُن کی رائے سے شہزادہ سلیم جہانگیر شاہ بن گیا ہے۔ تم خسرو کے لیئے پریشانی نہ اُٹھاؤ۔ تاکہ کوئی تمہارا دُشمن نہ بن جائے۔ تاہم تم جلد آگرہ چلی آؤ۔

شہنشاہ اکبر نے جس طرح سازش کو دبایا تھا۔ اس کا ذکر تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ انعام دے کر موتی نے قاصد کو روانہ کیا۔ اور رضیہ کو خط سُنایا۔ رضیہ نے کہا۔" اب کیا کرو گی ؟"

موتی۔" کچھ نہیں"۔

رضیہ (قدرے خاموشی کے بعد)" اچھا۔ ہرج ہی کیا ہے۔ مغل بادشاہوں کی خادمائیں بھی تورانیوں سے کم نہیں ہوتیں"!

موتی (ذرا مسکرا کر) "اب یہ نہیں ہو سکتا۔ اب وہاں نہیں رہ سکونگی مہرالنساء سے جہانگیر کا جلد نکاح ہو جائے گا۔ اُسے میں بچپن سے جانتی ہوں۔ وہ خود بادشاہ بن جائیگی۔ جہانگیر تو صرف نام کے بادشاہ ہوں گے۔ مَیں نے انکی تخت نشینی میں جو اڑچن لگائی تھی۔ یہ اس سے پوشیدہ نہیں رہیگا۔ پھر میرا کیا حال ہوگا"؟

رضیہ آنسو بھر کر بولی۔" پھر کیا ہوگا"؟

موتی نے کہا۔" ایک اُمید ہے۔ مہرالنساء جہانگیر سے کس قدر محبت کرتی ہے؟ وہ بڑی مستقل مزاج ہے۔ تاہم وہ جہانگیر کو نہ چاہے۔ تو سینکڑوں شیرافگن قتل کر دینے کے بعد بھی وہ اُسے نہیں پائے گا۔ ہاں اگر مہرالنساء سچے معنوں میں اُسے چاہتی ہے تو کوئی اُمید نہیں ہے"!

موتی مُسکرا کر بولی۔" لطف النساء کیا نہیں کر سکتی! مہرالنساء میری سہیلی ہے۔ کل بردوان جا کر اس کے پاس دو دن رہوں گی"۔

رضیہ ۔" اگر مہرالنساء بادشاہ کی پرواہ نہ کرتی ہو۔ تو کیا کرو گی؟"
موتی ۔" باپ کہتے ہیں۔ کھشتری کا کام عمل کرنا ہے"۔ پھر دونو خاموش ہوگئیں۔
کچھ دیر بعد موتی مسکرانے لگی۔ رضیہ نے پوچھا" یہ ہنسی کیسی ہے"۔ موتی نے
کہا۔ ایک نئی بات دل میں آئی ہے"۔

رضیہ ۔" وہ کیا"۔

موتی نے وہ رضیہ کو نہ بتائی ۔" وقت آنے پر خود پتہ چل جائیگا"۔

(۱۸)

اس زمانہ میں شیرافگن خان بنگال کے صوبیدار کے ماتحت بردوان میں تعینات تھے ۔ موتی بی بی بردوان پہنچکر شیرافگن کے جاکر مہمان بنی۔ جب وہ آگرہ میں اپنی زوجہ کے ہمراہ رہتا تھا۔ اُس وقت سے موتی بی بی ان کی واقف تھی۔ مہرالنساء سے اُس کی خاص محبت تھی۔ اس کے بعد دونوں شہنشاہ دہلی پر اُلفت کے ڈورے ڈالتی رہیں۔ اب کی ملاقات میں مہرالنساء کو خیال آیا۔ خدا نے نامعلوم ہندوستان کی حکومت اسکی قسمت میں لکھا ہے؟ دیکھئے لطف النساء بھی کچھ بناتی ہے یا نہیں۔ موتی بی بی کا خیال بھی مہرالنساء کے دل کی رمز کو پہچاننا ہی تھا۔

مہرالنساء اس زمانہ میں ہندوستان کی شکیل عورتوں میں افضل تھی۔ ایسی عورتوں کا دُنیا میں پایا جانا آسان نہیں ہوا کرتا۔ ہمارے مؤرخ اس کی رعنائی شباب کے مُقر ہیں۔ علم و فضل میں بھی وہ اس زمانہ کے مردوں عورتوں میں اعلیٰ تھی۔ رقص و سرود اور گانا بجانا اس کا فطری مشغلہ تھا۔ شاعری میں مصوری کے کمال سے بڑھ گئی تھی۔ بڑی پُرکشش زبان میں شعر کہتی تھی۔ اور اسکی پُرمعنی گفتگو میں حیرت انگیز کشش پائی جاتی تھی۔ موتی ان صفات سے

عادی نہیں تھی۔ تاہم آج اُن دونوں کا خیال ایک دوسرے کے دل کو ٹٹولتا تھا۔

مہرالنساء اپنے خاص کمرہ میں مصوری کر رہی تھی۔ موتی اسکی پُشت کی طرف بیٹھ کر اس نظارہ سے لطف حاصل کر رہی تھی۔ مہرالنساء نے دریافت کیا "تصویر کیسی تیار ہوئی ہے؟" موتی نے جواب دیا۔ "تمہارے قلم سے جس قسم کی بننی چاہیئے اسی طرح کی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اور کوئی اس فن میں اتنی دستگاہ نہیں رکھتا"۔

مہرالنسا۔ "اگر یہ دُرست ہے تو پھر افسوس کیسا؟"

موتی۔ "اگر اور کوئی تمہاری طرح کا کاریگر ہوتا۔ تو وہ تیری تصویر ضرور تیار کرتا"۔

مہرالنسا۔ "قبر کی مٹی میں بھی تو میرے نقش رہیں گے"۔ مہرالنساء نے یہ الفاظ قدرے متانت سے کہے تھے۔

موتی۔ "آج بہت تم کچھ اُداس ہو؟"

مہرالنسا۔ "کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اُمید ہے کل تک تم بھی مجھے چھوڑ جاؤ گی۔ دو دن اور کیوں نہیں ٹھہرتی؟"

موتی۔ "کون آرام کی طلب نہیں رکھتا ہے! میرا بس چلے تو کبھی نہ جاؤں۔ لیکن کیا کروں مجبوری ہے"۔

مہرالنساء۔ "شاید تم اب محبت سے عاری ہو چکی ہو۔ نہیں تو کسی نہ کسی بہانے ٹھہر جاتی۔ آئی اور فوراً تیار بھی ہو گئی ہو"۔

موتی۔ "میں تو سب کچھ بتا چکی ہوں۔ میرا بھائی مغلیہ فوج میں منصب دار تھا۔ وہ زخمی ہو گیا ہے۔ اُن کی خبر لینے بیگم عالیہ کی اجازت سے آئی ہوں۔

کافی وقت لگ گیا۔ دیر اچھی نہیں ہے، تمہارے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اب کافی عرصہ بعد دو دن ملاقات ہوگئی"۔

مہرالنساء "بیگم سے کب تک واپسی کا اقرار کیا ہے؟"

موتی نے خیال کیا۔ مہرالنساء مخول کر رہی ہے۔ مہرالنساء اس فن میں ید طولےٰ رکھتی تھی۔ مگر موتی بھی خاموش رہنے والی نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا" صرف تین ماہ کا اقرار کیا تھا۔ کافی دن لگ گئے ہیں۔ اب ٹھہرنا بہتر نہیں۔ ناراضگی کا خوف ہے"۔

مہرالنساء نے چتون سے تبسم پاشی کرتے ہوئے کہا "کس کی ناراضگی کا خوف ہے۔ حضرت سلیم کی یا اسکی بیگم کی ناراضگی!

موتی نے ذرا مسکرا کر کہا۔ "مجھے شرمندہ مت کرو۔ دونوں سے ہی ڈرتی ہوں"۔

مہرالنساء "لیکن میں کہتی ہوں۔ کہ تم خود کیوں بیگم نہیں بنتی۔ سنا تھا سلیم تمہارے ساتھ نکاح کر کے خاص بیگم کا درجہ دینگے؟"

موتی "میں تو بے بس ہوں۔ اور جو کچھ خود مختیاری ہے۔ اسے کیوں برباد کروں۔ بیگم کی باندی ہونے پر اڑیسہ تک بھی پہنچی۔ سلیم کی بیگم بننے پر شاید یہ بھی ممکن نہیں تھا"۔

مہرالنساء "جو جہاں پناہ کی بیگم ہوگی۔ اسے اڑیسہ آنیکی ضرورت ہی کیا ہے؟"

موتی۔ میں نے سلیم کی بیگم بننے کا خیال تک کبھی نہیں کیا۔ ہندوستان میں صرف مہرالنساء ہی اس لائق ہے۔

"مہرالنساء نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر لاجواب ہونے کے بعد بولی۔

"بہن مجھے علم نہیں ہے۔ کہ یہ خیال تم نے مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے

ظاہر کیا یا میرے دل کی کیفیت جاننا چاہتی ہو۔ میری تو یہ استدعا ہے۔ کہ شیر افگن کی ہی غلام رہوں۔ تم غلطی نہ کیجئو"۔

بے شرم موتی خاموش نہ رہ سکی۔ اب اسے مزید موقعہ ملا ہے۔ اس نے کہا۔ "تم جتنی پاک دامن ہو۔ اس کا مجھے علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس بات کو اس وقت ضایع کر دیا ہے۔ سلیم کب تک بھولیگا۔ ہوشیار رہنا"۔

مہرالنساء نے سمجھ گئی۔ مگر مجھے کس کا خوف ہے"۔

موتی نے ذرا لیت ولعل سے کہا۔ "بیوی کا"۔ یہ کہہ کر موتی مہرالنسا کی صورت دیکھنے لگی۔ اسے کوئی بھی خوف آثار دکھائی تک نہ دئے۔ مہرالنساء نے جوش سے کہا۔ "بیوی کا خوف! شیر افگن کمزور نہیں ہے۔ بالخصوص عہد اکبری میں اس کے شہزادے بھی کسی قصور کی سزا پائے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

موتی۔ یہ درست ہے۔ مگر آگرہ سے خبر آئی ہے۔ کہ شاہ اکبر چل بسے۔ سلیم بادشاہ بن گئے ہیں۔ پھر انہیں کون روکے گا"۔ مہرالنساء یہ سنکر تھر تھر کانپنے لگی۔ سر جھکا لیا۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

موتی نے پوچھا۔ "کیوں روتی ہو؟"

مہرالنساء نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "سلیم تخت پر اور میں کہاں ہوں!"

موتی کے دل کی مراد بر آئی۔ اس نے کہا۔ "کیا تم ابھی تک اسے بھولی نہیں ہو؟"

مہرالنساء نے مسرت کے عالم میں کہا۔ "کیسے بھولتی؟ اور سب کچھ بھول جاؤں مگر انہیں بھول نہیں سکتی بہن! راز فاش ہو گیا ہے اور تم سمجھ گئی ہو۔ قسم اٹھاؤ۔ کہ راز کسی سے بیان نہیں کرو نگی"۔

"اچھا ایسا ہی ہوگا"۔ موتی نے کہا۔ "مگر جب سلیم کو خبر ملیگی۔ کہ میں بُرہان گئی تھی۔ تو ضرور دریافت کریگا۔ کہ مہرالنساء نے میرے متعلق کیا کہا تھا۔

اُس وقت کیا جواب دُوں گی، مہرالنساء نے ذرا سوچکر کہا۔" یہ کہنا کہ مہرالنساء دل سے چاہتی ہے۔ موقعہ ملنے پر جان قربان کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ مگر اپنے خاندان کی عزت برباد نہیں کریگی۔ اور شوہر کے جیتے جی منہ نہیں دکھائے گی۔ اگر حضور کے حکم سے میرے خاوند کی موت آگئی۔ تو خاوند کے قاتل کا منہ تک نہیں دیکھیگی۔"
یہ کہہ کر مہرالنساء وہاں سے چلی گئی۔ موتی بی بی حیرت زدہ تھی تاہم وہ کامیاب تھی۔ مہرالنساء کی دلی کیفیت سے آگاہ ہو چکی تھی۔ مگر اس کے خیالات سے مہرالنساء کو واقفیت نہیں ہوئی تھی جس نے اپنی عقل کے زور سے شاہ دہلی پر اقتدار پا لیا تھا۔ وہ بھی موتی کے سامنے شکست خوردہ تھی۔ مہرالنساء فراخدل تھی مگر خودغرض۔ انسانی دل کی کیفیت سے جانکاری حاصل کرنے میں موتی کو کافی دسترس تھی۔ مہرالنساء کی باتوں سے اس نے جو نتیجہ نکالا۔ وہ دُرست نکلا۔
اس نے سمجھ لیا۔ کہ مہرالنساء جہانگیر سے محبت کرتی ہے۔ نسوانیت کی وجہ سے حیلہ ہو رہے ہیں۔ مگر راستہ صاف ہو جانے پر دل بے قابو ہو جائیگا اور بادشاہ کی دلی مُراد پُوری کردے گی۔
موتی کی اُمید دل پر اب پانی پھر گیا۔ موتی کو ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔ اُس نے آگرہ کے لئے کوچ کیا۔ راستہ میں کتنے ہی دن گزر گئے۔ اسی اثنا میں وہ پھر تازہ دم ہو گئی۔

(۱۹)

موتی اب آگرہ پہنچ چکی تھی۔ مگر اس کو اس وقت موتی کے نام سے مخاطب کرنیکی احتیاج نہیں۔ اُس کے دلی احساسات میں کافی انقلاب بپا ہو چکا تھا۔ جہانگیر سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے اس کے بھائی کے حالات دریافت کئے۔ لُطف النساء نے مہرالنساء سے جو کچھ کہا تھا۔ دُرست نکلا۔ بات چیت

کے دوران میں بردوان کا ذکر آنے پر جہانگیر نے دریافت کیا "کیا تو وہ دن مہرالنساء کے پاس ٹھہر آئی ہے؟ میرے متعلق کیا بات چیت ہوئی"۔ لطف النساء نے صاف گوئی سے سب کچھ کھلے طور پر بیان کر دیا۔ بادشاہ یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اور آنکھوں سے ایک دو بوندیں ٹپک پڑیں۔ لطف النساء "جہاں پناہ! باندی نے خوشخبری سنائی مگر انعام سے محروم ہوں"۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا "بی بی! تمہاری خواہش بہت کافی ہے"۔

لطف النساء "حضور! اس میں میرا کیا قصور ہے!"

بادشاہ "دلی کے شہنشاہ کو اپنا غلام بنا لیا۔ اب تک انعام کی خواہش نہ گئی"۔

لطف النساء نے مسکرا کر کہا "عورتوں کی آرزوئیں کافی ہوتی ہیں"۔

بادشاہ "اب کونسی آرزو پیدا ہوئی"۔

لطف النساء "وعدہ کریں۔ کہ عرض قبول ہو جائے گی"۔

بادشاہ "بیشک! اگر شاہی امور میں کوئی ہرج نہ ہوگا تو"۔

لطف النساء۔ (مسکرا کر) کیا کسی عورت کی وجہ سے حضور کے کاموں میں اڑچن پڑ سکتی ہے"۔ بادشاہ "سب کچھ منظور ہے۔ بتاؤ کیا چاہتی ہو؟"

لطف النساء "جی چاہتا ہے شادی ہو جائے"۔ جہانگیر قہقہہ مار کر بولے "یہ کوئی نئی خواہش ہے۔ کیا کہیں دل مل گیا ہے؟"

لطف النساء "سب کچھ ہو پایا۔ صرف حکم کی انتظار ہے۔ آپ کے حکم کے بغیر تو یہ درست نہیں ہے"۔ بادشاہ "میرے رائے کی کیا ضرورت ہے۔ کیسے راحت کا کام کرنے کا ارادہ کیا ہے؟" لطف النساء "باندی نے حضور کی خدمت کی ہے۔ تاہم اپنے حقیقی سے ملنے کی عزت چاہتی ہوں"۔ بادشاہ "لیکن پرانے غلام کا کیا بناؤ گی؟" لطف النساء حضور کے لئے

مہرالنساء کو سونپ جاؤنگی"۔ بادشاہ "مہرالنساء کون"۔
لطف النساء "جو ہے!" جہانگیر نے دِل میں خیال کیا۔ کہ مہرالنساء کے بیگم بننے کا راز لطف النساء کو معلوم ہوگیا ہے۔ اسی لیئے وہ محلات شاہی سے دُور رہنا چاہتی ہے۔ یہ سوچکر وہ خاموش ہو گیا۔
لطف النساء "کیا میرے نکاح میں حضور کی تائید حاصل ہے"؟
بادشاہ "میری رائے کے خلاف نہیں ہے۔ تاہم شوہر سے دوبارہ نکاح کی احتیاج ہی کیا ہے"؟ لطف النساء "بدقسمت کو پہلے بیاہ میں انہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔ اب جہاں پناہ کی لونڈی کو چھوڑ نہیں سکیں گے"؟
بادشاہ قدرے مُسکرایا۔ پھر متانت سے گویا ہُوا۔ "محبوبہ! تیرے لیئے سب فدا کر دُونگا۔ اگر یہی ارادہ ہے۔ تو ایسا ہی سہی۔ لیکن مجھے چھوڑنے کی وجہ تو بتاؤ۔ کیا ایک گملے میں دو پھُول نہیں کھلتے ہ"؟
لطف النساء نے بادشاہ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر کہا۔ "چھوٹے چھوٹے پھُول کھلتے ہیں۔ لیکن ایک شاخ پہ دو کنول نہیں کھلتے۔ آپ کے سامنے خار ہو کر کیوں رہوں"! لطف النساء اپنے گھر چلی گئی۔ تاہم اپنے ارادہ کو جہانگیر پہ واضح نہ کیا۔ بادشاہ بھی اندازہ سے قدرے بھانپ گیا۔
لطف النساء کا دل پتھر کی مانند تھا۔ سلیم کو مسحُور کرنے والی شاہی عظمت بھی اس کے سامنے ہیچ تھی۔ مگر اس دفعہ پتھر میں گھُن لگ ہی گیا۔

(۲۰)

لطف النساء نے گھر پہنچکر رضیہ کو بُلایا اور طلائی زیورات اور لباس فاخرہ اُتار کر بولی۔ "یہ لباس اُتار کر بولی" "یہ لباس تم لے لو"۔ یہ سُنکر رضیہ متحیر ہو اُٹھی۔ پوشاک بڑی قیمتی تھی۔ اور ابھی چند یوم ہوئے۔ تیار ہو کر آئی تھی۔

اس نے پوچھا "مجھے پوشاک کس لئے عنایت کر رہی ہو؟ یہ کیا معاملہ ہے؟"
لطف النساء "خوشخبری کی وجہ سے" رضیہ "یہ تو سمجھ گئی ہوں کہ مہر النساء
کا خوف کافور ہو گیا؟" لطف النساء "ہاں۔ اب اس کا کوئی ڈر نہیں ہے"۔
رضیہ نے از راہ اُمید افزائی کہا "تو اب میں بیگم کی باندی ہوں؟"
لطف النساء "اگر یہی ارادہ ہے۔ تو میں مہر النساء سے کہہ دونگی"۔
رضیہ "یہ کیا؟ آپ نے تو فرمایا تھا۔ کہ مہر النساء کے بیگم بننے کا کوئی امکان
نہیں ہے؟" لطف النساء "میں نے یہ نہیں کہا تھا۔ میں نے تو یہ کہا تھا۔ اسکی
مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے"۔
رضیہ "پرواہ کیوں نہیں۔ اگر آپ آگرے کی ملکہ نہیں بنینگی۔ تو ساری
اُمیدوں پر پانی پھر جائے گا"۔ لطف النساء "میں آگرہ سے کوئی تعلق
نہیں رکھوں گی"۔ رضیہ "یہ کیا فرمایا میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا"۔
لطف النساء "یہی کہ میں ہمیشہ کے لئے آگرہ سے الوداع ہو رہی ہوں"۔
رضیہ "کہاں جاؤں گی؟"
لطف النساء "میں مذاق نہیں کرتی۔ آگرہ سے رخصت پانے کی بادشاہ
سے بھی اجازت مانگ لی ہے"۔ رضیہ "یہ ارادہ کیوں کیا؟" لطف النساء۔
"کافی دیر آگرہ میں رہی۔ مگر کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ بچپن سے بڑی خواہشیں
تھیں۔ جو بنگال سے یہاں لانے کا باعث تھیں۔ اس جواہر کو حاصل کرنے کیلئے
بیشمار دولت برباد کی۔ کونسا گناہ ہے جو نہیں کیا۔ جس ارادہ کو لے کر یہ سب
کچھ کیا۔ حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔ عزت، دولت، عظمت کے باوجود تسلی
نہ ہوئی۔ خواہشات بڑھتی گئیں۔ کوشش کرنے پر اور بھی دولت حاصل
کر سکتی ہوں۔ لیکن کس لئے؟ اگر ان اشیاء میں راحت ہوتی۔ تو ایک

دل کے لئے ہی چین نصیب ہوجاتا۔ تسکین کی خواہش پہلے پہاڑی نالہ کی مانند چھوٹی سی ہوتی ہے۔ مگر وقت آنے پر وسعت حاصل کر لیتی ہے۔ پُرشور ہوجاتی ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر گندگی سے بھرپور ہوتی جاتی ہے۔ جب پانی از حد غلیظ ہوجائے۔ تو سمندر کے سوا اس کی اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہوتی۔ اسوقت اسے کون دیکھتا ہے"۔

رضیہ "میں تو ذرہ بھر بھی سمجھ نہیں پائی۔ ان حالات میں آپ کو کیوں راحت نہیں ملتی"۔ رضیہ النساء "کیا بتاؤں۔ ابھی تک سمجھ نہیں سکی۔ تین سال تک شاہی محل میں رہنے کے باوجود راحت نہیں ملی۔ اڑیسہ کے سفر میں ایک رات بھر میں وہ حاصل ہوگیا تھا۔ اسی لئے میرے دل نے اس راز کو بھانپ لیا"۔

رضیہ "وہ کیا تھا"؟ لطف النساء "میں اتنے دنوں تو ہندوؤں کی مورتی کی مانند سونے چاندی سے مزین ہوتے ہوئے بھی اندر سے پتھر کی مانند رہی۔ آرام کی خواہش میں پھرتی تھی۔ مگر راحت نصیب نہ ہوئی۔ اب تلاش میں ہوں۔ شاید پتھر سے ہیرا مل جائے"۔ رضیہ "میں اس کا مطلب بالکل سمجھ نہیں پائی"۔ لطف النساء "میں نے آگرہ میں کسی کی کبھی خواہش نہیں رکھی"۔

رضیہ۔ "کسی کی کبھی"؟ لطف النساء "یہ نہیں تو اور کیا"!

رضیہ "اب اگر اشارے مل رہے ہیں تو کیوں اُمید توڑ ڈالی"؟

لطف النساء "یہی وجہ تو آگرہ چھوڑنے کی ہے"۔ رضیہ "واہ! آگرہ میں کیا لوگ آباد نہیں ہیں جو بنگال جا رہی ہو۔ جو تیری خواہش رکھتے ہیں تو اُنہیں نہیں چاہتی؟ شکل و صورت اور دولت و عظمت میں شاہ دہلی سے کون بڑھ کر ہے"۔ لطف النساء "آسمان میں چاند سورج کی موجودگی میں پانی زمین کی طرف کیوں بہتا ہے"؟ رضیہ "آپ ہی بتائیں۔ میں نہیں جانتی"۔

لطف النساء۔ "یہی قسمت میں لکھا تھا!" لطف النساء نے ساری باتیں واضح نہیں کیں۔ مختصر میں چغتمان کی آنچ دیکھ کر وہ حیران تھی۔

(۱۲)

کھیت میں بیج خود بخود سر نکالتا ہے۔ اس وقت کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ مگر ایک بار بیج بو دینے پر بیشک بیج بونے والا بھی نہ رہے تاہم اپنے وقت پر وہ سر نکال لیتا ہے۔ اور نشوو ارتقاء کی منزلیں سر کرتا ہوا ایک بلند وبالا درخت کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اسکی ارتقائی منازل پر اگر کسی کی توجہ نہ گئی ہو۔ اُسے دیکھنے والا ایک بار محو حیرت ہو جاتا ہے۔ اُس کے سایہ نہیں۔ بلکہ قوت بخش طاقت کے زور سے چھوٹے چھوٹے پودے مُرجھا کر ختم ہو جاتے ہیں۔

لطف النساء کی محبت کا ارتقا بھی اسی قسم کا تھا۔ پہلے اچانک محبوب سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت تعلقات کے استوار کا موقع نہیں تھا۔ مگر بیج بویا گیا تھا۔ جب دوسری بار سرائے میں درشن ہوئے تو رہ رہ کر جی میں کسک اُٹھنے لگی۔ اور آئینہ دل پر اسکی بادشاہ ایک کیفیت آور عکس دکھائی دیتا۔ کھیت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ بھی آیا۔ جب کہ محبوب کا خیال ہی جذبات پر لہرانے لگ گیا۔ دیدار کی خواہش بھڑک اُٹھی۔ مگر باوجود اس کے وصل کی منزل دور دکھائی دیتی تھی۔ بعض تر خواب پرکسی رنگ سے ملابست کا شوق بڑھنے لگا۔ دارالحکومت حکومت اور تخت شاہی سب ہیچ نظر آئے۔ اور اس نے دنیا کی دلفریبی کو ٹھوکر لگا کر اپنے عاشق کے دیدار کو چل دی۔ وہ عاشق نوکمار تھا۔

یہی وجہ تھی کہ لطف النساء مہر النساء کی اُمید کو پاس پاس کرنیوالی داستان سنا کر بھی دکھی نہ ہوئی۔ اور آگرہ پہنچ کر بھی دولت کو سمیٹنے کی کوشش نہیں کی۔ زندگی بھر کے لئے شاہی محلات سے رخصت ہوئی۔

لطف النساء سپت گاؤں پہنچی۔ شاہی راستہ کے نزدیک ہی دریا کے کنارے ایک عالیشان مکان کو اپنی قیام گاہ بنایا۔ شاہی گزرگاہ کے مسافروں نے دیکھا کہ اچانک یہ مکان سنہری کشش اور قسم ہا قسم کے سامان آرائش سے خوشنما بن گیا ہے۔ ہر ایک کمرہ کی زیبائش لاثانی ہے۔ عطر، درج، گلاب اور کیوڑہ کی مہک نے چاروں سرور کا عالم بپا کر دیا ہے۔ سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی بیش قیمت اشیاء سے گھر کی شان دوبالا ہو رہی ہے۔ اس مکان کے ایک شاندار کمرہ میں لطف النساء بحرِ غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ دوسری طرف نوکمار موجود ہے۔ سپت گاؤں میں نوکمار سے لطف النساء کی ایک بار پہلے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے لطف النساء کو کہاں تک کامیابی ہوئی۔ یہ آج کی پہلی ملاقات سے آپ کو پتہ چل جائے گا۔

نوکمار قدرے خاموشی کے بعد گویا ہوا "اب میں جاتا ہوں۔ مجھے تکلیف نہ دیجیئے گا" لطف النساء نے کہا۔ "فی الحال نہ جاؤ۔ ذرا ٹھہرو۔ میری بات ختم نہیں ہوئی" نوکمار نے چند ساعت اور انتظار کیا۔ مگر لطف النساء خاموش رہی۔ ایک لمحہ بعد نوکمار نے دریافت کیا۔ "اور کیا فرمانا ہے؟" لطف النساء نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سسکیاں لے کر رونے لگ گئی۔

یہ دیکھ کر نوکمار اٹھ کھڑا ہوا۔ لطف النساء نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ نوکمار نے ذرا غصہ سے کہا۔ "کہو کیا کہنا ہے؟"

لطف النساء بولی "تم کیا چاہتے ہو۔ دنیا میں تمہیں کسی چیز کی احتیاج ہے دولت، عظمت، حکومت، عیش اور مسرت یا جن کو راحت کہا جاتا ہے۔ وہ سب دوں گی۔ اس کے عوض میں کچھ نہیں چاہتی۔ صرف غلامی"۔

نوکمار نے کہا۔ "ہم غریب براہمن ہیں۔ اس جنم میں ایسے ہی رہینگے۔ تمہاری دولت لیکر ہم بھلا کیا کچھ بن جائیں گے۔ میری دوست!"

مسلمان عورت کے رفیق! نوکمار کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا۔ کہ یہ خاتون ہی اپنی تیتی رہی ہے۔ لطف النساء فرط سے نیم عریاں ہو رہی تھی۔ نوکمار نے زور سے گریبان چھڑا لیا۔ لطف النساء نے پھر اُسکے گریبان کو پکڑ لیا۔ اور کہا۔ "اچھا، رہنے دو۔ اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو تمام خواہشات کو ختم کر ڈالوں گی۔ میں اور کچھ نہیں چاہتی۔ تم ایک بار روزانہ اس راستہ سے گزر جایا کرو۔ باندی سمجھ کر کبھی کبھی درشن دے جایا کرو۔ صرف آنکھوں کی پیاس بجھا لیا کروں گی۔"

نوکمار۔ "تم مسلمان ہو۔ غیر کی عورت ہو۔ تمہارے گھر اس طرح کی آمد و رفت بھی بہتر نہیں ہے۔ اس لئے پھر کبھی نہیں آؤں گا۔"

لمحہ بھر کے لئے لطف النساء کے دل میں طوفان بلند ہوا۔ پتھر کی طرح تصویر حیرت بنی رہی۔ اُس نے نوکمار کو چھوڑ دیا۔ اور کہا "جاؤ"۔ نوکمار جانے لگا۔ ابھی دو چار قدم ہی چلا تھا۔ کہ لطف النساء ہوا کی سرسراہٹ میں جھومنے والی نازک شاخ کی مانند اس کے قدموں پر جا گری۔ جذبات محبت میں سرشار دست بستہ ہو کر کہا "بیرحم! میں تمہارے لئے آگرہ کا تخت چھوڑ کر آئی ہوں۔ تم مجھے اس طرح نہ چھوڑ جاؤ۔"

نوکمار نے کہا۔ "تم آگرہ چلی جاؤ۔ میری اُمید پر نہ رہو۔"

"اس جنم میں نہیں"۔ یہ کہہ کر لطف النساء تن کر کھڑی ہو گئی۔ اور پھر بولی۔ "زندگی بھر آپ کا خیال دل میں جاگزین رہے گا۔" پیشانی پر بل دے کر اور زبان کو قدرے ٹیڑھا کر کے نوکمار کی طرف بڑی بڑی پُرکشش آنکھوں سے متوجہ ہو کر مستانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔ عجز کا خمار فی الفور کالعدم ہو گیا۔ پُرجلال ہو کر بے خوفی کے عالم میں وہ پھر سے ثابت قدم ہو گئی۔ آنکھیں انگارہ بنکر دھد کنے لگیں۔ نسلیں پھر کنی شروع ہو گئیں۔ جس طرح سانپ پھن اُٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح تنکر اکر اٹھی۔ اور کہنے لگی۔ "اس زندگی میں آپ کا خیال دل سے محو نہیں کروں گی۔ آپ میرے سوامی ہیں۔"

اس طیش زدہ سانپنی کی طرف دیکھ کر نوکمار متحائف ہو گیا۔ لطف النساء کا ہیبت ناک انداز جو اس نے اس بار دیکھا۔ وہ پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ تاہم یہ جلالی تھا، بڑا کشش پذیر، جس کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ نوکمار چلنے لگا۔ اچانک قدم بڑھاتے ہوئے پھر کیا جی میں آئی۔ کہ رُک گیا۔ ایک دن نوکمار غصہ میں آکر اپنی پہلی عورت پدماوتی کی خواب گاہ سے باہر چلے جانے پر مستعد ہو اُٹھا۔ ۱۲ سالہ دوشیزہ اس وقت سہمی ہوئی سامنے کھڑی تھی۔ اُس کی آنکھیں دھڑک رہی تھیں۔ یہی انداز تھا۔ اسی طرح سا اُٹھان تھا۔ ایسے ہی پیشانی پر شکن آئی تھی۔ اتنے عرصہ تک تو اس واقعہ کی یاد نہ آئی۔ مگر اب خیال آیا۔ واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ مشتبہ انداز میں جھجک کر نوکمار نے آہستگی سے دریافت کیا۔ "تم کون ہو؟" لطف النساء کی توجہ اور بھی حیرت افروز ہو گئی۔ اُس نے کہا۔ "میں پدماوتی ہوں۔" جواب کا انتظار کیے بغیر لطف النساء اپنے مکان پر چلی گئی۔ نوکمار بھی تحمہ میں غرق اپنے گھر چلا گیا۔

۱۲

مکان کے دوسرے حصہ میں جا کر لطف النساء نے دروازہ بند کر لیا۔ وہ دو دن تک کمرہ سے باہر نہ آئی۔ اِن دو دِنوں میں اُس نے اپنے فرائض پر غور کیا۔ کسی نتیجہ پر پہنچتے ہوئے آفتاب غروب ہو گیا۔ لطف النساء رضیہ کی مدد سے آرائش میں لگ گئی۔ لباس بڑا پُرکشش تھا۔ اس میں زیبائش کا عنصر کم نہ تھا۔ آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر رضیہ سے بولی۔ "کیوں رضیہ! کیا اب میں پہچانی جا سکتی ہوں؟"

رضیہ نے کہا۔ "کس کی مجال جو پہچان پائے؟"

لطف النساء۔ "تو میں جاتی ہوں۔ مگر کوئی نوکرانی ساتھ نہ آئے۔"

رضیہ نے ذرا جھجک کر کہا۔ "خطا معاف کریں۔ تو ایک بات دریافت کروں!"

لطف النساء نے کہا ۔ "کیا؟"

رضیہ ۔ "آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

لطف النساء "کپال کنڈلا کو اس کے شوہر سے جدا کر دینا تاکہ وہ میرا بن جائے"

رضیہ "بی بی! اچھی طرح سوچ لو۔ سنسان جنگل ہے۔ رات سر پہ ہے۔ اور آپ تنہا جا رہی ہیں"۔ لطف النساء اس بات کا جواب نہ دیکر باہر چلی گئی۔ سپت گاؤں کے جس ویران گاؤں کے سنسان حصہ میں نوکمار کا گھر تھا۔ وہ اس طرف روانہ ہوئی وہاں پہنچتے رات ہو گئی تھی۔ آپ کو علم ہی ہے۔ کہ اس مکان کے پاس جنگل تھا۔ وہاں قریب پہنچکر وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ اور جس مشکل کام پر وہ مستعد ہوئی۔ اس پہ غور کرنے لگی۔

لطف النساء کو کسی آدمی کی آواز آئی۔ اٹھکر چاروں طرف بغور دیکھنے سے معلوم ہوا۔ کہ جنگل میں ایک مقام پر قدرے روشنی نظر آ رہی ہے۔ لطف النساء مردوں سے بھی زیادہ حوصلہ مند ہو کر اس طرف روانہ ہوئی۔ پہلے دور سے دیکھنے لگی۔ کہ کیا معاملہ ہے؟ دیکھا تو وہ آگ ہون کی لپٹوں کی تھی۔ اور جو آواز آتی تھی۔ وہ منتر پڑھنے کی تھی۔ صرف ایک لفظ ہی سمجھ میں آیا۔ وہ صرف ایک نام تھا۔ یعنی کہ وہ ہون کرنیوالے کے نزدیک جا کر بیٹھ گئی۔

انہیں یہاں ہی رہنے دیجئے۔ اب ذرا کپال کنڈلا کی بھی خبر لیں کہ اسکے ساتھ کیا گزری۔

(۳۳)

لطف النساء کے آگرہ جانے اور آنے میں ایک برس کے لگ بھگ خرچ ہوا تھا۔ اور کپال کنڈلا کو نوکمار کی پتنی بنے ایک برس سے زیادہ ہو گیا تھا۔ جس رات لطف النساء جنگل میں ہون کنڈ کے پاس آ کر بیٹھتی تھی۔ کپال کنڈلا مغموم ہو کر اپنے گھر بیٹھی تھی۔ نوکمار نے سمندر کے ساحل پر کھلے بالوں والی زیورات سے عاری جس کپال کنڈلا کو پایا تھا۔

مکھن لال ویاب -

وہ اب بدل چکی تھی۔ شیام سندری کی پیشن گوئی درست ثابت ہوئی۔ پارس پتھر سے
چھونے پر وہ پوری گھر گرہستی کے کاموں میں منہمک ہو گئی۔ اس کے بال تک بکھرے
ہوئے دراز بالوں میں تیل اور کنگھی نے کشش کو دوبالا کر دیا۔ جو شیام سندری کے
کمال کی بزبان حال سے متکلم کیفیت تھی۔ پھولوں کی مالائیں جو چاروں طرف
سر کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھیں۔ وہ سر کی خوشنمائی کو دوبالا کر رہی تھیں۔ اور قدرتی سیاہی
پائل لہروں کی مانند دلکشی کو دوبالا کرنے میں اپنا فرض ادا کر رہی تھیں۔ چہرہ ذرا نیم
عریاں معلوم ہو رہا تھا۔ ایسے جیسے طرح ہلال کا چاند۔ کانوں میں کرن پھول جھول
رہے تھے۔ گلے میں جڑاؤ مالا تھی۔ جو اس کی خوشنمائی کے سامنے بالکل پھیکی معلوم
ہوتی تھی۔ بلکہ رات کو کھلنے والے کسم کی مانند نظر آ رہی تھی۔ سفید لباس زیب
تن کیا ہوا تھا۔ جو آسمان کے تن خاکی پہ پانی سے لبریز سفید بادلوں کی مانند
منڈلاتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

رنگ ویسا ہی ماہتابی قسم کا لیکن پہلے سے ذرا مدھم جس طرح مصفا آسمان
کو کہیں سے تاریک بادلوں نے گھیر لیا ہو۔ کپال کنڈلا اکیلی نہیں تھی۔ اس کے
پاس شیام سندری بھی بیٹھی تھی۔ دونوں باہم گفتگو کر رہی تھیں۔ ذرا اس سے ہی کچھ
حصہ سن لیں۔

کپال کنڈلا: "وہ کتنے دن یہاں رہیں گے؟"

شیام سندری: "وہ کل سہ پہر کو چلے جائیں گے۔ آہ! آج رات کو اگر بوٹی
اوڑھ لیتی تو انہیں اپنے قابو میں لے کر انسانی زندگی کو بامراد کر لیتی۔ کل رات کو میں باہر
گئی تھی۔ تو غصہ ہوئے تھے۔ اب کس طرح باہر جاؤں؟"

کپال کنڈلا۔ کیا دن کو بوٹی توڑی نہیں جا سکتی؟

شیام سندری۔ دن میں لینے سے اچھی نہیں رہتی۔ ٹھیک آدھی رات کو

سر کے بال کھول کر توڑنی پڑتی ہے ۔ اب تو دل کی دل ہی میں رہی!"
کپال کنڈلا ۔" اچھا میں آج دن کو اس درخت پر نشان لگا آتی ہوں جس جنگل میں ہے وہ دیکھ آئی تھی ۔ تمہیں نہیں جانے دوں گی ۔ میں خود اکیلی جا کر لے آؤں گی "
شیام سندری ۔" جو ہوا سو ہوا ۔ اب رات کو تم باہر مت جائیو"۔
کپال کنڈلا ۔" تم فکر کیوں کرتی ہو؟ تم نے سنا ہی ہوگا ۔ کہ رات کو پھرنے کی بچپن سے عادت ہے ۔ ذرا سوچو تو سہی ۔ اگر یہ عادت نہ ہوتی تو شاید تمہارے درشن کبھی بھی نہ ہوتے"۔
شیام سندری ۔" میں خوف کی وجہ سے نہیں کہتی لیکن اکیلے جنگل میں پھرنا تو بہو بیٹیوں کے لئے مناسب نہیں ہے ۔ ہم دونوں گئی تھیں تو کتنا غصہ برداشت کیا تھا اب اگر دونوں چلی گئیں ۔ تو نامعلوم کیا گزرے"۔
کپال کنڈلا ۔ اس میں کوئی بُرائی نہیں ۔ تم نے کیا یہ خیال کیا ہے ۔ کہ میں رات کو گھر سے باہر جانے پر بدنام ہو جاؤں گی ؟"
شیام سندری ۔" میں نے کبھی ایسا خیال ہی نہیں کیا ۔ مگر بڑے لوگ بُرا ہی کہتے ہیں"۔
کپال کنڈلا ۔" کہتے پھریں ۔ میں اس سے بُری نہیں ہو سکتی"۔
شیام سندری ۔" یہ تو درست ہے ۔ لیکن اگر کوئی تمہیں بُرا بھلا کہیگا تو مجھے بڑی تکلیف ہو گی"۔
کپال کنڈلا ۔" ایسی فکر مت کرو"۔
شیام سندری ۔" یہ بھی میں کر سکونگی ۔ مگر بھائی کو کیوں دکھی کرتی"۔
کپال کنڈلا نے شیام سندری کو محبت بھرے انداز میں دیکھا اور کہا ۔" اگر

اس سے ان کو دُکھ ہوگا۔ تو مجھے کیا! اگر یہ سمجھتی کہ عورتوں کے لئے شادی غلامی کا باعث ہے۔ تو کبھی بیاہ نہ کرتی!!

اس کے بعد شیام سُندری سب امور کو اچھی طرح بھانپ نہ سکی۔ اُٹھ کر کام کاج میں مصروف ہو گئی۔ کپال کنڈلا بھی گھر کے ضروری کام میں محو ہو گئی۔ اور فراغت کے بعد بُوٹی لینے کے لئے جنگل کی طرف چلی۔ اُس وقت ایک پہر رات گزر چکی تھی۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ نوکمار بیرونی کمرہ میں بیٹھا تھا۔ کپال کنڈلا گھر سے باہر چلی گئی۔ انہوں نے اُسے جاتے دیکھ لیا۔ اور اُٹھ کر ہاتھ پکڑ لیا۔ کپال کنڈلا نے کہا۔ "کیا معاملہ ہے؟" نوکمار۔ "اس وقت کہاں جا رہی ہو؟" اسکی آواز میں حقارت کا عنصر نہیں تھا۔" کپال کنڈلا۔ "شیام سُندری اپنے سوامی کو اپنے اختیار میں لانے کے لئے بُوٹی چاہتی ہے۔ میں اس کے لئے جا رہی ہوں"۔ نوکمار نے ملائمت سے کہا۔ "اچھا۔ کل جو ایک بار گئی تھی۔ آج پھر یہ کیوں؟" کپال کنڈلا۔ "کل مل نہیں سکی تھی۔ آج پھر تلاش کرنی ہے"۔ نوکمار نے کہا۔ "دن کو تلاش کرنے سے بھی تو کام چل سکتا ہے ہوگا۔ کپال کنڈلا۔ "دن کو لینے سے اس میں اثر نہیں رہتا۔" نوکمار۔ "تمہیں بوٹی کی کیا ضرورت ہے؟ درخت کا نام بتا دو۔ میں بوٹی توڑ کر لے آتا ہوں"۔

کپال کنڈلا۔ "میں درخت کو دیکھ کر شناخت کر سکتی ہوں۔ نام نہیں جانتی اور تمہارے توڑنے سے بھی وہ باثر نہیں رہیگی۔ عورتوں کو سر کے بال کھول کر توڑنی پڑتی ہے۔ تم دوسروں کی بھلائی میں دخل انداز کیوں ہوتے ہو؟" کپال کنڈلا نے یہ ذرا غصہ میں آکر کہا تھا۔ نوکمار نے اڑچن ڈالنا اچھا نہ سمجھا۔ کہا۔ "چلو میں ہمراہ چلتا ہوں"۔ کپال کنڈلا نے غرور سے کہا۔ "آؤ۔ میں ناقابل اعتماد ہوں۔ چلکر دیکھ لینا"۔ نوکمار خاموش ہو گیا۔ ایک سرد آہ بھر کر کپال کنڈلا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور کمرہ میں

چلا گیا۔ کپال کنڈلا اکیلی جنگل کی طرف چلی گئی۔

(۲۴)

سپت گاؤں کا یہ حصہ سنسان بیابان ہے۔ اکیلی کپال کنڈلا اس جنگل میں بوٹی کی تلاش کو چل دی۔ بادلوں سے گھرے ہوئے آسمان سے چاند اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ اور سارے برگ و اشجار ماہتابی شعاعوں سے خمار آلود تھے۔ خاموشی کا عالم تھا۔ نرم نرم بیلوں پر سفید پھول کھل رہے تھے۔ انسان و حیوان سب خاموش ہیں۔ گاہے گاہے کسی خوابیدہ پرندے کے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز آتی تھی۔ اور کبھی کبھی خشک پتوں کے گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا جس طرح خاموشی کے عالم میں گھاس کے خشک بیابان پر سانپ سرکتا چلا جا رہا ہے۔ دُور سے کتوں کے بھونکنے کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ ہوا بالکل بند نہیں تھی۔ ہلکی ہلکی سرائے بھرتی ہوئی لذت اندوز ہوا نے مستی کا عالم بپا کر ڈالا تھا۔ اور درختوں کی نرم شاخیں بھی قدرے خمیدہ ہوتی تھیں۔ نیلگوں آسمان پر سفید بادلوں کا جمگھٹ تھا جس کے احساس سے کھوئے ہوئے آرام کی یاد آتی تھی۔

کپال کنڈلا کو اس عالم میں پرانے زمانہ کی یاد تازہ ہو آئی۔ ریت کے ٹیلوں پر سمندر کے پُرکشش نظارے سے لعبت بازی کا تخیل سامنے تھا۔ کپال کنڈلا اس رات میں متجسسانہ طور پر چل رہی تھی۔ بحرِ تفکر میں غرق ہونے سے یہ پتہ نہ رہا کہ کہاں جا رہی ہے جس راستہ سے وہ جا رہی تھی۔ بدقسمتی سے وہ از حد طویل ہو گیا۔ جنگل کی تاریکی اور بلند و بالا درختوں کی چوٹیاں چاندی کی روشنی کو روکے ہوئے تھیں۔ چاند غروب ہو گیا۔ راستہ کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ کپال کنڈلا زیادہ متفکر ہو اٹھی۔ اِرد گرد دیکھنے پر معلوم ہوا۔ کہ جنگل میں قریب ہی آگ جل رہی ہے۔

لطف النساء نے بھی اسی روشنی کو دیکھا تھا۔ کپال کنڈلا پرانی عادت کی وجہ سے ڈرتی نہیں تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اسی سمت چل پڑی۔ دیکھا تو وہاں ہون ہو چکا ہے۔ اب وہاں کوئی نہیں۔ اس جنگل میں تھوڑے فاصلہ پر ایک ٹوٹا ہوا مکان ہے۔ بالکل چھوٹا سا جس میں صرف ایک کمرہ تھا۔ اس جھونپڑی نما مکان سے بات چیت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کپال کنڈلا دبے پاؤں قریب پہنچی۔ نزدیک جانے پر پتہ چلا۔ کہ دو آدمیوں میں نہایت احتیاط سے بات چیت ہو رہی تھی۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مگر کان لگا کر پوری توجہ سے ذیل کا مکالمہ سننے میں آیا۔

پہلا "میرا مقصد ہے۔ اگر تم اس معاملہ پر اتفاق نہ کرو۔ تو میں آپ ہی کام کروں گا۔ اور نہ تم میری کرنا"

دوسرا۔ "میں بھی بھلائی کا خواہشمند نہیں۔ جہاں بے فکر ہو جاؤں۔ مگر خود کشی کی حرکت سے اجتناب کرتا ہوں"

پہلا "تم بالکل بے عقل ہو۔ ذرا سوچو تو سہی۔ دھیان دے کر سنو۔ ذرا باہر جا کر چاروں طرف دیکھ آؤ۔ آدمی کی سی آہٹ سنائی دیتی ہے"

در حقیقت کپال کنڈلا بات چیت سننے کے لئے جھونپڑی کی دیوار کے اتنے قریب آگئی تھی۔ دلی دھڑکن کی وجہ سے اس کا سانس پھڑک رہا تھا۔ فوراً ایک آدمی باہر آیا۔ اور آتے ہی کپال کنڈلا کو دیکھ لیا۔ اور کپال کنڈلا نے بھی اُسے چاند کی مدھم روشنی میں دیکھا۔ مخمصہ میں پڑ گئی۔ کوئی فیصلہ نہ کر پائی معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ شخص برہمن ہے۔ معمولی دھوتی اوڑھے، دوپٹہ کندھے پر رکھا ہوا۔ اس پر عالم شباب مسلط تھا۔ تاہم چہرے سے عمر کا پورا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ خوبصورت ضرور ہے۔ اس کے سر کے بال کھلے ہیں۔ اور پشت کی جانب لہرا رہے ہیں۔ دونوں آنکھیں پُر جلال کشش سے لبریز۔ ایک ہاتھ میں تلوار جس کو دیکھ کر بڑا خوف دکھائی دیتا تھا۔ جس طرح

برفیلے پہاڑ پر کوئی تاریک گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ دل کے راز کو بھانپ جلنے والی چتون کو دیکھ کر کپال کنڈلا کے دل پر خوف طاری ہو گیا۔

دوسرے ایک دوسرے کی طرف لمحہ بھر متوجہ رہے۔ کپال کنڈلا نے پہلے آنکھ جھپکی اُس کے دریافت کیا "تم کون ہو؟" اگر ایک سال پہلے ہگلی کے ریتیلے ساحل پر کوئی اس سے دریافت کرتا۔ تو وہ ٹھیک ٹھیک جواب دے دیتی۔ مگر اب اس کے صاف بات پر خانہ داری کے کرّہ ہوائی کا غلبہ تھا۔ اس لئے فی الفور جواب نہ دے سکی۔ اُس نوجوان نے اُسے لاجواب پا کر متانت سے دریافت کیا۔ "کپال کنڈلا! تم اس تاریک جنگل میں رات کو کس لئے آئی ہو؟"

ناواقف آدمی سے اپنا نام سُنکر کپال کنڈلا مبہوت رہ گئی۔ کچھ خوف بھی ہُوا۔ اسلئے اچانک کوئی جواب نہ دے سکی۔ اُس براہمن نے پھر کہا۔ "تم نے ہماری گفتگو سُنی ہے؟"

کپال کنڈلا نے ذرا ہمت سے کہا۔ "میں بھی یہی دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ کہ اس سنسان جنگل میں تم دونوں کونسی بڑی بات سوچ رہے تھے؟"

براہمن قدرے لاجواب اور متفکر ہو گیا۔ جس طرح کوئی نئی بات اس کے ذہن پر غالب آئی ہے۔ اُس نے کپال کنڈلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور جھونپڑی سے ذرا فاصلہ پر لے گیا۔ کپال کنڈلا نے غصہ میں آ کر ہاتھ جھٹک دیا۔ یہ دیکھ کر اُس نے از حد نرمی سے دریافت کیا۔ "فکر مت کرو۔ میں مرد نہیں ہوں۔" کپال کنڈلا اور بھی زیادہ فکر مند ہو گئی۔ یہ سُنکر اُسے قدرے یقین آیا۔ وہ اس کے ہمراہ چل پڑی۔ اور دُور جا کر کہا۔ "ہمارے خراب خیالات کو سنو گی؟ وہ تمہارے متعلق ہی تھے۔" کپال کنڈلا متحیر ہوئی اور کہا۔ "سُن لوں گی۔"

"اچھا جب تک میں واپس نہ آؤں۔ تم یہاں بیٹھو۔" یہ کہہ کر وہ جھونپڑی کی

طرف متوجہ ہوا۔ اور کپال کنڈلا تھوڑی دیر وہاں بیٹھی رہی۔ مگر جو کچھ دیکھنے اور سننے میں آیا تھا۔ اُس سے خوف بڑھنے لگا۔ تاریکی میں بیٹھنے سے دل کی دھڑکن اور زیادہ ہو اُٹھی۔ وہ مردنما عورت اُسے کیوں یہاں بٹھا گئی ہے؟ شاید اپنے پُرفریب دام میں پھنسانے کی جسارت کی جا رہی ہو۔ اِدھر اُس کے واپس آنے میں کافی دیر ہونے لگی۔ کپال کنڈلا زیادہ انتظار نہ کر سکی۔ فی الفور بڑی تیزی سے گھر کی طرف چل پڑی۔ اُس وقت آسمان پر بادلوں کی تاریک گھٹائیں مسلط تھیں۔ جنگل سے آگ کی چمک بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اب ایسے ٹھہرنا محال ہو گیا۔ نہایت سُرعت سے قدم بڑھانے لگی۔ آتے ہوئے جس طرح لیتن کی جانب سے کسی ناواقف آدمی کے پاؤں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ لیکن مُڑ کر دیکھنے سے کچھ دکھائی نہ دیا۔ کپال کنڈلا نے خیال کیا۔ وہ براہمنی لباس والی عورت پیچھے آتی ہوگی۔ جنگل سے کھلے میدان میں آ پہنچی۔ یہاں اچھی طرح آدمی کا پتہ چل سکتا تھا۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔ یہ دیکھ کر وہ تیزی سے چلی۔ پھر آدمی کی آہٹ اچھی طرح سُننے میں آئی۔ آسمان تیرہ و تار ہو رہا تھا۔ کپال کنڈلا کے قدم تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ گھر نزدیک ہی تھا۔ مگر جب راستہ میں بوندا باندی کی پُر شور آواز آنے لگی۔ تو وہ تیزی سے دوڑی۔ ایسا معلوم ہوا۔ کہ پیچھے آنے والا بھی تیز گام ہو گیا ہے۔ گھر پہنچتے ہی بارش اور طوفان آ چکا تھا۔ بجلی کی کڑک، اور بادلوں کی گرج سے کان پھٹے جاتے تھے۔ برق کوند رہی تھی۔ موسلادھار بارش جاری ہو گئی۔ کپال کنڈلا کسی طرح اپنی حفاظت کر کے گھر پہنچ گئی۔ آنگن سے پار ہو کر کمرہ میں داخل ہوئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ اُس کو بند کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ محسوس ہوا جس طرح آنگن میں کوئی آدمی کھڑا ہے۔ فی الوقت بجلی کوندی۔ جس کی روشنی میں اُسے ساحلِ سمندر پر رہنے والا سادھو نظر آیا۔

(۲۵)

کپال کنڈلا نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ خوابگاہ میں جاکر پلنگ پر سو گئی۔ انسانی جذبات کے سمندر کی نہائی حدِ امکان سے باہر ہے۔ مگر جب اس پر ہوا کا دھکا پڑتا ہے۔ تو اسکی لہروں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کپال کنڈلا کے جذباتی سمندر میں لہریں نمودار ہو رہی تھیں۔ اس کا اندازہ کون لگا سکتا تھا۔

اُس رات نوکمار دل کی خفجاتی کیفیت کی وجہ سے خوابگاہ میں نہیں آیا۔ کپال کنڈلا تنہا لیٹ رہی۔ مگر نیند نہیں آئی۔ بارش اور طوفان کے تھپیڑوں سے پژمردہ صورت چاروں طرف دکھائی دینے لگی۔ کپال کنڈلا نے ابتدائی کیفیت پر غور کیا۔ سادھو کے ساتھ جس قسم کا سلوک کر کے وہ چلی آئی تھی۔ اسکی یاد تازہ ہو گئی۔ سادھو سنسان جنگل میں جس قسم کی خوفناک حرکات کا مرتکب ہوتا تھا۔ وہ یاد آنے لگیں۔ اسکی بھیردی پوجا نوکمار کی اسیری وغیرہ سب یاد آگئے۔ کپال کنڈلا لرز اٹھی۔ آج کی رات کے تمام واقعات آنکھوں کے سامنے تھے۔ شیام سندری کا بُوٹی حاصل کرنے کا خیال، نوکمار کا انکار اور کپال کنڈلا کا تنفر اس کے بعد جنگل میں آگ کے شعلے پھر تاریکی اور جنگل میں عورت کا مردانہ لباس میں دکھائی دینا وغیرہ یکے بعد دیگرے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔

رُخِ مشرق سے آفتاب طلوع ہوا۔ اُس وقت اُسکی آنکھ ذرا جھپک گئی تھی۔ نیم خوابیدگی میں اُس نے خواب دیکھا۔ سمندر میں کشتی پر چلی جا رہی ہے۔ کشتی پر بسنتی رنگ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ملاحوں نے پھولوں کی مالائیں گلے میں پہنی ہوئی تھیں۔ اور بڑے وجد اور انداز سے شیام کرشن کے مراقبہ گیت گا رہے تھے۔ مغربی سمت سے آسمان طلائی چمک دکھا رہا تھا۔ ہُو کا عالم تھا۔ اور آسمان سے ڈر ڈر کر بادل محوِ غسل ٹپک رہے تھے۔ اچانک رات چھا گئی۔ آفتاب گم ہو گیا۔ آسمان پر تاریکی مسلط ہو گئی۔ اور گھنگھور گھٹاؤں نے آسمان پر قبضہ جما لیا۔ سمندر کی سمت کا پتہ

نہیں۔ ملاح کشتی کو کس طرف لے جائیں۔ اُنہوں نے گانا بند کر دیا۔ گلے کی سب مالائیں توڑ ڈالیں۔ بسنتی جھنڈا خود بخود سرنگوں ہو کر سمندر میں بہہ گیا۔ ہَوا زور سے چلنے لگی۔ سمندر میں لہریں پُرجوش ہو گئیں۔ سمندر سے جٹا دھاری سادھو نمودار ہو کر اُس کشتی کو سمندر کی طرف بہا لے چلا۔ اِتنے میں اُسی لحیم و شحیم سادھو نے کپال کنڈلا کی کشتی پر آ کر دریافت کیا۔ "بچاؤں یا ڈبوؤں؟" اچانک کپال کنڈلا کے مُنہ سے نکلا "ڈبو دو"۔ اُس سادھو نے کشتی کو چھوڑ دیا۔ اِتنے میں کشتی سے بڑی گرج دار آواز آئی۔ میں اب یہ بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ نیچے کو چلی جا رہی ہُوں۔ اس کے بعد فرفر کرتی ہوئی پانی میں غرق ہو گئی۔

پسینہ سے شرابور ہو کر کپال کنڈلا چونک پڑی۔ اُس نے آنکھیں کھولیں۔ تو علی الصبح کا عالم تھا۔ کمرہ کی کھڑکی کھلی تھی۔ اس سے بادِ نسیم بہتی چلی آ رہی تھی۔ جھومتی ہوئی درختوں کی شاخوں پر پرند چہچہانے لگے۔ اسی کھڑکی کی پر چند بیلیں خوشنما پھولوں سے لدی ہوئی جھول رہی تھیں۔ کپال کنڈلا حینہ بات لطف سے اس منظر پر غور کرنے لگی۔ اتنے میں سامنے دیکھا۔ تو ایک خط پڑا تھا۔ کپال کنڈلا پڑھی لکھی تھی۔ اُس نے خط اُٹھایا۔ اور دیکھا لکھا تھا۔

"آج شام کے بعد کل رات والے براہمن لڑکے سے ملنا۔ تم اپنے متعلق باقی باتیں جو نہایت اہم ہیں۔ اگر ضرور سُننے کی کوشش کرنا۔" (ایک براہمن)

(۲۶)

کپال کنڈلا اس دن شام تک اسی ادھیڑبن میں رہی۔ کہ غیر مرد کے ساتھ بات چیت کرنا مناسب ہے یا نہیں پتی ورتا استری کے لئے رات کو سنسان بیابان میں غیر مرد سے ملاقات درست نہیں ہے۔ ذرا جھجک گئی۔ اسے یقین تھا۔ کہ اگر ملاقات کے لئے یہ دعوت کسی بری نیت سے نہ ہو۔ تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے گفتگو کرنا

جس طرح فطری ہے اسی طرح اسے یقین نہ تھا کہ وہ شخص عورت تھا یا مرد۔ اسی لئے
ذرا خائف تھی۔ یہ ملاقات بہتر رہیگی یا نہیں۔ اس معاملہ پر وہ اس قدر مخمصہ میں پڑ گئی۔
کہ ایک غیر مرد کا رات کو دکھائی دینا۔ اور بجلی کی کوندتی ہوئی روشنی میں سادھو کا
آنکھوں کے سامنے دکھائی دینا۔ شبہ بلا وجہ نہیں تھا۔ وہ مرد بھی واقف معلوم ہوتا
ہے۔ بحر غم میں ڈوب گئی۔ اس نے کہا تھا۔ کہ آپ کے متعلق ہی بات چیت کرنی ہے
شاید کوئی اور معاملہ ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کوٹھڑی میں وہ براہمن نوجوان شاید
اسی سادھو سے بات چیت کر رہا ہوگا۔ گفتگو سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ خودکشی یا موت
پہ بات چل رہی ہے۔ وہ کس کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اُس نوجوان نے تو کہا تھا۔
کہ کپال کنڈلا کے متعلق مشورہ ہو رہا تھا۔ شاید میری موت اور اغوا کا مشورہ ہی ہو رہا
ہوگا۔ اس کے بعد خواب کی کیفیت، اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی، خواب میں تو براہمن نے
آکر حفاظت میں لے لیا تھا۔ کوئی خراب آثار نظر نہیں آتے تھے۔ اُس نے خواب
میں کہا تھا۔ "ڈبو دو۔" تو کیا ایسا ہی ہوگا؟ نہیں نہیں۔ عقیدت مندوں کی مہارانی بھوانی
نے دست رحمت سے عالم خواب میں بھی حفاظت کی تھی۔ براہمن اس کی بھلائی کرنا
چاہتا تھا۔ اسکی مدد سے ہاتھ سکیڑ لینے پر تباہی سامنے ہے یا آخر کپال کنڈلا نے ملاقات
کی رائے کو ہی استوار کیا۔ عقلمند بے شک انکار کریں۔ اس میں شبہ کا امکان نہیں ہے۔ ہمارا
اس سے سروکار نہیں۔ کپال کنڈلا زیادہ عقلمند نہیں تھی۔ اسلئے عقلمندوں کی طرح اُس نے
ارادہ کی استقامت پر غور نہیں کیا۔ بلکہ چلبلاہٹ کے طور پر بڑے بھیم شیم ڈیل ڈول
کے مرد کے درشنوں کی خواہش پتنگے کی مانند سرفروشی کے جذبہ سے متاثر ہو کر اس
نے اپنے ارادہ کو استوار کر ڈالا۔

شام کو گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر کپال کنڈلا نے پہلے دن کی مانند جنگل
کی راہ لی۔ جاتی ہوئی خواب گاہ کے چراغ کو اُکسا گئی۔ مگر دت م گھر سے باہر رکھا ہی تھا۔

کہ ہوا کے جھونکے سے چراغ گل ہوگیا۔
چلتے وقت کپال کنڈلا یہ بھول گئی۔ کہ کس جگہ ملاقات کے لئے براہمن نے لکھا تھا۔ اس لئے چٹھی کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت پڑی۔ گھر واپس آکر جہاں اس نے خط رکھا تھا۔ وہاں سے تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ خیال آیا۔ بال سنوارتے ہوئے ہاتھ رکھا تھا۔ اسلئے پھر تلاش کرنے لگی۔ مگر چٹھی نہ ملی۔ گھر کی باقی جگہوں کو دیکھا۔ مگر کہیں دکھائی نہ دیا۔ آخر کار اس نے سوچا۔ کہ جہاں پہلے دن ملاقات ہوئی تھی اُسی طرف چلنا چاہیئے۔ فرصت نہ ملنے سے وہ اپنے آپ کو سنوار نہ سکی۔ اسلئے آج کپال کنڈلا دیوانگی کے عالم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

(۲۷)

شام کو جب وہ گھر کے کاموں میں مصروف تھی۔ تو آنچل سے چٹھی کھلکر گر پڑی تھی۔ کپال کنڈلا یہ جان نہ پائی۔ نوکمار نے اُسے دیکھا تھا۔ اس طرح آنچل سے خط کا گرنا اُسکی حیرت کا باعث ہوگیا۔ جب وہ دوسری طرف متوجہ تھی۔ تو موقعہ پاکر اس نے خط پڑھا۔ اس کے پڑھنے سے یہ خیال آیا۔ کہ جو باتیں کل سُننی تھیں۔ آج سُن پائیں۔ اور یہ کیا غضب ہے۔ براہمن وہ براہمن کیا کپال کنڈلا کا شوہر ہے۔ جسے اُس رات کے معاملات کا علم نہیں ہے۔ وہ بھلا کیسے ہر پہلو سے غور کر سکتا ہے۔

باوفا عورتیں جب شوہر کے مرتے پر ستی ہوتی ہیں۔ اُس حالت میں یا اور دوسری کیفیت پر زندگی کے دوران میں چتا پر پڑے ہوئے سر کو آنچ لگاتی ہیں۔ تو اُس وقت دُھواں اُٹھتا ہے۔ آنکھوں سے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ چاروں طرف تاریکی کا عالم ہوتا ہے۔ پھر جب لکڑیاں جلتی ہیں۔ تو سانپ کی زبان کی

مانند نیچے سے سرخ لپٹیں آکر تمام اعضاء کو جلانا شروع کر دیتی ہیں۔ پھر شعلہ ہائے جوالا ہر سمت ہو کر تمام اعضاء و جوارح میں آگ لگا دیتے ہیں۔ آخر کار وہ سارا وجود خاک کا ڈھیر رہ جاتا ہے۔ نوکمار کو غدر پڑھ کر یہی احساس ہوا۔ پہلے سمجھ نہ پایا۔ پھر شبہات اُٹھے۔ اور بالآخر جی جلنے لگا۔ انسانی جذبات فرطِ مسرت اور جوشِ غم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نوکمار کے سامنے پہلے تاریک دھوئیں کا عالم تھا۔ پھر جلن اُٹھی اور آخر کار سارا جسم شعلہ زن ہو اُٹھا۔ اس سے نوکمار نے دیکھا تھا کہ کئی معاملات میں کپال کنڈلا میری دسترس سے باہر ہو جاتی ہے۔ جو ہاں جاتے۔ اُسی پر قانع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی بچپن کی عادات کے مطابق رات کو تنہا جنگل میں پھرتی ہے۔ اگر کوئی غیر شبہ کرتا تو مضائقہ نہیں تھا۔ مگر نوکمار کو اگر شک ہو تو وہ بچھو کے کاٹنے کی مانند تھا۔ یہ سوچ کر اُس کے شبہات زائل ہو گئے۔ آج بھی شک نہ کرتا۔ مگر معاملہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔

نوکمار کا پہلا جوش ماتم پڑھنے پر کافی دیر تک روتا رہا۔ پھر مستقبل کا خیال آیا۔ کپال کنڈلا سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ جب شام کو کپال کنڈلا جنگل کی طرف جائیگی تو چپکے سے پیچھا کروں گا۔ کپال کنڈلا کی حرکت اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔ پھر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔ مگر اُسے کچھ نہیں کہوں گا۔ خودکشی نہیں تو اور کیا کیا جائے۔ زندگی کے لا انداز بوجھ کو اُٹھانے کی اِسمیں سکت نہ رہی۔

اس کے بعد کھڑکی سے کپال کنڈلا کے جانے کی انتظار کرنے لگا۔ جب کپال کنڈلا مکان سے ذرا دُور پہنچی۔ تو نوکمار بھی چل دیا۔ اِتنے میں کپال کنڈلا خط کی تلاش میں واپس آئی۔ یہ دیکھ کر نوکمار بھی ٹھہر گیا۔ پھر جب وہ دوسری بار مکان

سے نکل کر جنگل کی طرف گئی۔ تو جاتے ہوئے رُک گیا۔ کیونکہ دروازہ پر ایک بڑے ڈیل ڈول کا آدمی کھڑا تھا۔ وہ کون ہے؟ کیوں کھڑا ہے؟ یہ جلتے کا خیال ہی نہ آیا۔ اُسے بغور دیکھا بھی نہیں۔ صرف کپال کنڈلا کی طرف متوجہ رہا۔ اس لیئے اِس خیال کو پہلے سامنے آنے ہی نہیں دیا۔ مگر پھر مڑکر اُس شخص سے بولا۔ "تم کون ہو؟ چلے جاؤ۔ راستہ چھوڑ دو" ناواقف "میں کون ہوں کیا تم یہ نہیں جانتے؟" یہ آواز سمندر کی پُر شور آواز کی طرح کانوں میں پڑے۔ نوکمار نے دیکھا۔ کہ وہ تو جٹا دھاری پہلے کا جانکار سادھو ہے۔ نوکمار چونک اُٹھا۔ مگر خوف نہ کھایا۔ اچانک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پوچھا۔ "کپال کنڈلا کیا تمہاری ملاقات کو جا رہی ہے"؟ سادھو۔ "نہیں!"

اُمید کہ روشن چراغ کے فی الفور گل ہو جانے سے نوکمار کے منہ پر زردی چھا گئی کہا۔ "تم میری راہ چھوڑ دو"۔ سادھو۔ "چھوڑتا ہوں۔ لیکن تم سے چند باتیں کرنی ہیں۔ پہلے وہ سُن لو۔ نوکمار۔ "تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا تم میری رُوح پھر قبض کرنے آئے ہو۔ اس معاملہ میں بالکل کوئی اڑچن نہیں ڈالوں گا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ میں نے دیوتا کی خوشنودی کے لیئے پہلے اپنے آپ کو قربان نہیں کیا تھا۔ اسی کا عوض مل رہا ہے۔ جس نے مجھے بچایا۔ اُسی کے ہاتھوں تباہ ہُوا۔ سادھو! اب تم مجھ پر اعتماد رکھو۔ میں ابھی آکر تمہارے قدموں پر سر جُھکاتا ہوں"۔ سادھو۔ "میں تمہاری رُوح قبض کرنے نہیں آیا۔ تمہارے بھلے کی بات کروں گا۔ ذرا گھر میں چلکر میری بات سنو"۔

نوکمار۔ "فی الحال رہنے دو پھر ملوں گا۔ ذرا انتظار کرو۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔ پہلے اُسے کر آؤں"۔ سادھو۔ "بیٹا! میں سب جانتا ہوں۔ تم اس سبھکار کے پیچھے جا رہے

ہو۔ وہ جہاں گئی ہے۔ مَیں جانتا ہوں۔ مَیں تمہیں ہمراہ لے جاؤں گا۔ جو دیکھنا چاہتے ہو۔ دکھا دوں گا۔ ڈرمت کرو۔ فی الحال میری بات تو سُنو"۔

نوکمار نے کہا۔" مجھے آپ کا کوئی ڈر نہیں۔ آؤ تو سہی"۔ اِس کے بعد نوکمار نے سادھو کو اندر لے جاکر بٹھایا۔ اور خود بیٹھتے ہُوئے اسے کہا۔" کہیئے"۔

(۲۸)

سادھو نے بیٹھتے ہُوئے اپنے دونوں ہاتھ نوکمار کو دکھائے۔ نوکمار نے دیکھا۔ کہ دونوں بازو ٹوٹ گئے ہیں۔

جس رات کپال کُنڈلا کے ساتھ نوکمار نے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ اُسی رات وہ ان دونوں کی تلاش میں ریت کے ٹیلے سے گر پڑا تھا۔ گرتے ہُوئے دونوں ہاتھوں کے بل پر اپنی حفاظت کی تھی۔ جس سے جسم تو بچ گیا۔ مگر دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔

سادھو نے یہ باتیں نوکمار کو بتا کر کہا۔" بازوؤں کی وجہ سے فرائض ضروری میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔ لیکن اب لاچار ہوں۔ یہاں تک کہ ان ہاتھوں سے لکڑی بھی توڑنا محال ہے"۔ پھر کہنے لگا۔" گرتے ہی میں نے جان لیا۔ کہ دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں۔ باقی سب عضو درست تھے یا نہیں، گرتے ہی غشی طاری ہوگئی۔ اس کے بعد نیم غشی طاری ہوئی۔ کتنے دن اسی حالت میں رہا۔ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ دو دن اور ایک رات یا کچھ زیادہ صبح کے ہوتے ہی ذرا ہوش ہوئی۔ اس سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جیسے بھگوتی۔ یہ کہتے ہُوئے سادھو متحیر ہوگیا جس طرح بھگوتی درشن دے رہی ہے۔ میری طرف بُرے طور پر متوجہ ہے۔ کہتی ہے" اے نابکار! تیرے دِلی مخمصہ کی وجہ سے ہی میرے راستہ میں اڑچن آئی۔ تم نے ابھی تک خواہشات

تمہارے زیر اثر میری پرستش سے اجتناب کیا۔ اس لیئے اس دوشیزہ کی بے حرمتی کی
وجہ سے تیری ساری ریاضت خاک میں ملگئی۔ میں تیری کوئی شئے قبول نہیں
کرونگی"۔ یہ سنتا ہُوا ماتا کے چرنوں میں گر پڑا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "ارے تم اس
معاملہ میں ایک تدبیر پر عمل کرو۔ اسی کپال کنڈلا کو میری راہ میں قربان کردو۔
جب تک تو ایسا نہیں کر سکیگا۔ اُس وقت تیری ریاضت بامُراد نہیں ہوسکیگی"۔
کافی دنوں کے بعد مجھے صورت نصیب ہُوئی۔ اس کے بعد میں نے دیوی ماتا کے
حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ دیکھا تو میں ہاتھوں میں ذرا بھی طاقت نہیں
اور ان کے بدون کامیابی مشکل ہے۔ ایک مددگار کی ضرورت لاحق ہوئی۔ مگر
انسان [illegible] کہا جاتا ہے کہ ایک کے زمانہ اور سلطنت حکومت کی موجودگی میں کوئی
کس طرح میری مدد کریگا۔ بڑی جستجو کے بعد میں نے ایک جماعت راہگیروں کو دیکھا
ہے۔ مگر زور یا زبردستی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ صرف منتر کے زور سے ہی کچھ کر
پاؤنگا۔ کل رات اس نزدیکی جنگل میں ہون کیا تھا۔ اپنی آنکھوں دیکھا۔ کہ کپال
کنڈلا سے ایک برہمن نوجوان بات چیت کر رہا ہے۔ آج پھر وہ اس سے ملنے
گئی ہے۔ دیکھنا چاہو تو پکار دکھاؤں۔ بیٹا! کپال کنڈلا قتل کر دینے کی قابل
ہے۔ میں دیوی کے حکم سے اسکو قربان کر دونگا۔ وہ تمہارے نزدیک نا قابل اعتماد
ہے۔ تم بھی اسکی گردن مار سکتے ہو۔ اس لیئے تم بھی میری مدد کرو۔ اس ناقابل اعتماد
عورت کو پکڑ کر میرے ساتھ ہون کنڈ کی قربانگاہ تک لے چلو۔ وہاں اپنے ہاتھوں سے
اس کو قربان کر دینا اور ماتا بھگوتی کی جو عدول حکمی کی ہے اس کا کفارہ ہو جائیگا۔ نیک
اعمالی سے لا انداز اجر ملتا ہے۔ بد اعتقاد کو ضرور سزا دینی چاہیئے"۔ ساتھ ہی جب

اپنا بیان ختم کیا۔ نوکمار خاموش رہا۔ سادھو نے پھر کہا "بیٹا! میں نے جو دیکھنے کیلئے کہا تھا۔ چلو چلکر دیکھ آئیں۔ نوکمار پسینہ میں تر بتر سادھو کے ساتھ چل دیا۔

(۲۹)

کپال کنڈلا گھر سے نکلکر بیابان میں داخل ہوئی۔ پہلے جھونپڑی میں پہنچی براہمن کو دیکھا۔ اگر دن ہوتا تو پتہ چلتا۔ کہ اسکی شکل و صورت نہایت گھناؤنی ہو گئی تھی۔ اس لیے کہا "یہاں مردم خور سادھو آسکتا ہے۔ اس لئے تخلیہ میں بات چیت کرنی چاہیئے۔ جنگل میں ایک ایسی جگہ ہے۔ جو بالکل محفوظ ہے۔ صرف ایک ہی راستہ اس سے نکلتا ہے۔ وہ براہمن مردنما عورت اسے وہاں لے چلی۔ دونوں کے بیٹھنے پر براہمنی نے کہا۔ "میں اپنا تعارف پیش کرتا ہوں۔ میری باتیں بلکہ کہاں تک قابل غور ہیں۔ یہ خود بخود پتہ چل جائیگا۔ جب تم شوہر کے ہمراہ ہگلی سے آ رہی تھی۔ تو راستہ میں رات کیوقت ایک مسلمان عورت سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ کیا تجھے یاد ہے؟"

کپال کنڈلا نے کہا "جس نے مجھے زیور دیئے تھے!"

مرد نما عورت نے کہا "ہاں میں وہی ہوں۔"

کپال کنڈلا از حد متحیر ہو اٹھی۔ لطف النساء نے اسکی حیرت کو بھانپ کر کہا۔ "زیادہ حیرت تو یہ ہے۔ کہ میں تمہاری سوت ہوں۔" کپال کنڈلا نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیا کہا؟" اس کے بعد لطف النساء نے اپنی رام کہانی سنائی۔ بیاہ برادری سے اخراج، شوہر کا دروازہ بند ہو جانا۔ ڈھاکہ، آگرہ، جہانگیر، مہرالنسا آگرہ سے روانگی۔ سپت گاؤں میں داخلہ۔ نوکمار سے گفتگو۔ نوکمار کا سلوک۔

ایک روز پہلے مردانہ لباس میں آنا۔ ہون کرنے والے ملاقات وغیرہ سب کہہ سنایا
یہ سُنکر کپال کنڈلا نے پوچھا " تم کس لئے یہ بہروپ بنا کر آئی تھیں ؟"

لطف النساء۔ تمہارے شوہر اور تم میں جدائی کی خلیج حائل کرنے کیلئے یہ
" کپال کنڈلا متفکر ہوگئی۔ " کس طرح ؟ " لطف النساء۔ " میری کوشش آپکے شوہر
کو بدظن کرنا ہے مگر اس معاملہ سے کیا سروکار۔ اب میں نے وہ خیال چھوڑ دیا ہے
اگر تم میری رائے پر عمل کرو۔ تو میری مراد بر آئیگی۔ اور تمہارا بھی بھلا ہوگا۔"

کپال کنڈلا " ہون کرنے والے کے منہ سے تم نے کیا سنا ؟"

لطف النساء " تمہارا ہی نام۔ وہ تمہاری بھلائی برائی کے خیال سے ہی
ہون کی ریاضت کرتا ہے۔ اس معاملہ کی تہ تک پہنچنے کیلئے میں اسکے قریب جا
پہنچی۔ ہون کے بعد میں نے اُس سے آپکے متعلق استفسار کیا۔ وہ تھوڑی
دیر کی گفتگو سے سمجھ گئی کہ تمہاری برائی کے خیال سے ہی یہ عمل ہو رہا ہے۔ میں نے بھی
انہیں کچھ سنایا۔ فی الفور ہم ایک دوسرے کی مدد پر متفق ہوگئے۔ گو میرا کوئی مقصد نہیں
میں نے تو زندگی بھر گناہ ہی کئے ہیں۔ مگر گناہ کی وادی میں وہاں تک نہیں پہنچی
کہ میں تیرے جیسی معصوم کی موت کا باعث بنوں۔ میں نے اس معاملہ میں اتفاق
رائے نہیں کیا کہ اچانک تو آپہنچی معلوم ہوتا ہے کہ آپنے ہماری باتیں سن لی تھیں"

کپال کنڈلا " میں نے تو آپ کی تکرار ہی سنی تھی "۔

لطف النساء " اُس سادھو نے مجھے ناواقف خیال کر کے اپدیش دینا
شروع کیا۔ آخر کار کیا ہوا۔ یہ سمجھ کر تمہیں مناسب جگہ لے آئی تھی "۔

کپال کنڈلا " پھر واپس کیوں نہ گئی ؟"

لطف النساء" اس نے بڑی لمبی گفتگو کی۔ باتیں سنتے سننے کافی دیر لگ گئی تم اسے اچھی طرح جانتی ہو وہ کون ہے ؟" کپال کنڈلا" میرا پہلا پرورش کرنے والا سادھو ہے"۔ لطف النساء" سادھو کو پہلے پہل تمہارا ملنا۔ وہاں ہی پرورش پانا، نوکمار کی آمد، اسکے ہمراہ فراری یہ سب کہہ سنایا۔ اسکے بعد جو کچھ گزری وہ بھی اس نے کہہ سنائی۔ تم ہسے نہیں جانتی وہ تمہیں واضح طور پر کہہ سناتی ہوں"۔ اس کے بعد لطف النساء نے سادھو کا ریت کے ٹیلے سے گرنا۔ ہاتھوں کا ٹوٹنا اور خواب کا دکھائی دینا سب کچھ کہہ سنایا۔ خواب کو سنکر کپال کنڈلا لرز اٹھی۔ بجلی کی رو دوڑ گئی۔ لطف النساء کہنے لگی۔ "سادھو نے بھگوتی کا حکم ماننے کا مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں سکت نہیں رہی۔ اس لئے اس کو کسی کی مدد درکار ہے۔ مجھے برا ہمن خیال کر کے حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنی رام کہانی کہہ سنائی میں نے اس کا ساتھ دینا قبول کر لیا۔ امید کرتی ہوں۔ کہ میں یہ کبھی نہیں کرسکونگی۔ اسی مقصد کو مد نظر رکھ کر میں نے تمہاری ملاقات کا انتظام کیا۔ مگر یہ کام بے غرض ہو کر نہیں کر سکتی تمہیں زندگی بخشتی ہوں۔ تم بھی میرے لئے کچھ کرو"۔ کپال کنڈلا۔ "کیا کروں؟" لطف النساء" مجھے قول دو۔ شوہر کو چھوڑ دو گی؟" کپال کنڈلا کافی دیر خاموش رہی پھر کہنے لگی "شوہر کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گی؟" لطف النساء" کافی دور کسی اور جگہ تمہیں رکھوں گی۔ دولت دونگی۔ نوکر نوکرانیاں دوں گی۔ رانی کی مانند رکھوں گی"۔ کپال کنڈلا پھر سوچنے لگی۔ چاروں طرف غور سے دیکھا۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھا۔ وہاں بھی نوکمار کو نہ پایا۔ پھر لطف النساء کو راحت کیوں نہ پہنچاؤں ـــــ لطف النساء سے کہا "میں نہیں سمجھ سکی۔ کہ آپ نے

میری کس قدر نیکی کی ہے۔ مکان، دولت و عظمت اور نوکر چاکر وغیرہ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ ہاں تمہاری بات میں کیوں اڑچن ڈالوں۔ کل سے اس بدبخت کی کوئی خبر سننے میں نہیں آئیگی۔ میں جنگلی عورت تھی پھر وہاں چلی جاؤنگی۔"

لطف النساء حیران ہوگئی۔ اسے یہ اُمید نہ تھی۔ مرعوب ہوکر کہا "بہن! تیری عمر دراز ہو۔ تم نے مجھے زندگی بخشی ہے۔ میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گی۔ کل تمہارے پاس اپنی ایک ہوشیار نوکرانی بھیجوں گی۔ اس کے ہمراہ ہوجانا۔ بردوان کی ایک باعظمت عورت میری رفیقہ ہے۔ وہ تمہاری سب مرادیں برلائے گی۔"

لطف النساء اور کپال کنڈلا اس قدر محو گفتگو تھیں۔ کہ انہوں نے سامنے توجہ تک نہ دی۔ جو راستہ وہاں سے جاتا تھا۔ اسی پر کھڑے ہوکر نوکمار اور سادھو دونوں کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ مگر ان دونوں نے ان کو نہیں دیکھا۔ نوکمار اور سادھو نے ان دونوں کو دور سے دیکھا تھا۔ انکی گفتگو نہیں سنی تھی۔ انسانی توجہ جہاں تک کام دیتی ہے۔ اگر اسی طرح کانوں کو بھی دسترس ہوتی تو مصیبت فی الفور دور ہوجاتی۔ اس میں کیسے شبہ ہے۔ کہ دنیا کی تعمیر نہایت تعجب خیز ہے۔

نوکمار نے دیکھا کہ کپال کنڈلا کے بال کھلے ہیں۔ جب وہ ان کی بن چکی تھی۔ تو بھی اسکی یہی کیفیت تھی۔ پھر دیکھا کہ وہ نوجوان براہمن کی پشت پر لٹکتے ہوئے لمبے لمبے بالوں کی اوٹ میں چھپ گئی۔ کپال کنڈلا کے بال اس قدر دراز نہیں تھے۔ آہستہ آہستہ گفتگو کرنے کی وجہ سے وہ اس قدر قریب تھے۔ کہ لطف النساء کی پشت تک کپال کنڈلا کے بال پھیل گئے تھے۔ جب انہوں نے یہ نظارہ دیکھا

نوکمار آہستہ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ سادھو نے لتنے میں اپنی کمر سے ناریل کا ایک برتن کھول کر کہا۔ "بچیا بے ہوش ہو رہے ہو۔ ذرا یہ دوائی پی لو۔ یہ بھگوتی بھوانی کا پرساد ہے۔ پیتے ہی قربان ہو جاؤ گے"۔ سادھو نے نوکمار کے منہ سے برتن لگا دیا۔ بڑی لذت سے اس نے نوش فرمایا۔ اور پیاس بجھائی۔ وہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کہ یہ لذیذ شئے سادھو کی تیار کردہ شراب ہے۔ پیتے ہی پُر جوش ہو اُٹھا۔

دوسری طرف لطف النساء کپال کنڈلا سے مدھم آواز میں کہنے لگی۔ "بہن! تم نے جو کام کیا ہے۔ اس کا عوض ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ تاہم اگر میری یاد بھی آتی رہے تو بڑی خوشی ہوگی۔ سنا ہے کہ جو زیور میں نے تمہیں دیئے تھے۔ تم نے وہ کسی فقیر کو دے دیئے تھے۔ اس وقت میں خالی ہاتھ ہوں۔ ایک اور تجویز سوچ کر میں ایک انگشتری ہمراہ لائی ہوں۔ اب خودکشی یا موت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس انگشتری کو تم پاس رکھو۔ اسے دیکھ کر تم میری یاد کرنا۔ اگر شوہر دریافت کرے کہ کہاں سے ملی ہے۔ تو کہنا لطف النساء سے ملی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک بیش قیمت انگوٹھی اپنے ہاتھوں سے اُتار کر کپال کنڈلا کو دے دی۔ نوکمار نے یہ بھی دیکھ لیا۔ سادھو اسے پکڑے ہوئے تھا۔ کانپتے ہوئے دیکھ کر ایک پیالہ اور شراب کا پلایا۔ شراب کا نشہ فی الفور اُسکے ذہن کو عقل و ہوش سے بیگانہ کرنے لگا۔ محبت کا شائبہ تک نہ رہا۔

کپال کنڈلا لطف النساء سے الوداع ہو کر گھر کی طرف چلی۔ نوکمار اور سادھو لطف النساء کے بتائے ہوئے راستہ سے کپال کنڈلا کا پیچھا کرنے لگے۔

(۲۵)

کپال کنڈلا آہستہ آہستہ گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ وہ گہرے غم میں مغموم تھی۔
لطف النساء کی باتوں نے اس کے ذہن میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ وہ خودکشی پر آمادہ
تھی۔ لطف النساء نہیں۔ بلکہ اپنے لئے؟

کپال کنڈلا دراصل ایک ساحر کی لڑکی تھی۔ جادوگر جس طرح کالی دیوی
کو خوش کرنے کے لئے کسی انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ کپال کنڈلا کی
بھی یہی کیفیت تھی۔ اس نے روحانی قوت کے لئے بھگوان سے استدعا کی۔ اور
خود بخود کالی ماتا کے لئے بے پناہ محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ پھر وہی ماتا ہی کائنات
کی خالق اور باعث بقا دیتا ہے۔ ہر ایک زمانہ کالی ماتا کی رحمت میں خود بخود
انہماک رکھتا ہے مگر اس کے باوجود اس کو وہ راحت حاصل نہ ہو سکی۔ کیا کبھی
پہلے ہی کوئی کمی رہ گئی ہے۔ اس نے ہی زندگی کو اپنی راہ قربان کر دینے کی کھلم
کھلا تحریک کی تھی۔ پھر یہ سادھو کی بچی کس طرح عدول حکمی کر سکتی ہے۔

ہم خودکشی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ غصہ میں اگرچہ مرضی ہو کہیں لیکن
دنیاوی کشش ہر وقت مانع آتی ہے۔ راحت کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں۔
اگر ہم اپنے اعمال کے نتیجے کے طور پر تکلیفات اٹھائیں۔ تو بھگوان پر الزام دیتے
پھرتے ہیں۔ یہ تصور کا نظام عمل بالکل درست ہے اور یہ ٹھیک ہے۔ کہ دکھ غلطیوں
کا نتیجہ ہے۔ ہم کائنات میں چھپا شعور کا لیفات کو دیکھ کر دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں۔
تاہم طالبِ دنیا سے دستکش نہیں ہوتے۔ یہاں تو کرم کو سب سے بڑھ کر فضیلت
ہے۔ کپال کنڈلا کبھی ایسے بندھنوں میں نہیں ہو سکے راستہ حائل ہو کر تکلیف کا باعث ہو۔

جس کے راستہ میں کوئی روکاوٹ نہیں۔ اُسے کون روک سکتا ہے۔ پہاڑ کی بلند چوٹی سے گرتے ہوئے پانی کو درمیان میں کون روک سکتا ہے۔ ہوا بھی اس پر قانع نہیں ہے؟ کپال کنڈلا کے ذہنی انتشار کو روکنا آسان نہیں ہے۔ جوان ہتھنی کی مستی کا نشہ دُور کرنے کی کسی میں کیسے جرأت آسکتی ہے۔

کپال کنڈلا نے سوچا۔ کیا زندگی ماتا کی راہ میں قربان کر ڈالوں؟ عناصر خمسہ سے مرکب جسم کی نگہداشت سے کیا فایدہ؟ اس قسم کے خیالات پے در پے اُٹھتے تھے۔ مگر وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی۔ دُنیا کے تمام تعلقات سے مخلصی کے بعد عناصر کی غلامی تو موجود تھی۔ کپال کنڈلا گردن جھکائے مایوسی کے عالم میں چلنے کو تیار ہو گئی۔ تفکرات کی وجہ سے اُسے کسی طرف دھیان دینے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ غیر فطری احساس پیدا ہونے لگا۔ جس طرح گنبد بے در سے اُس کے کانوں میں آواز آئی۔ "بیٹی! میں راستہ دکھاتی ہوں۔ کپال کنڈلا نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ نیلگوں بادلوں سے دلکش جلالی صورت نظر آنے لگی۔ کالی ماتا سامنے موجود ہے۔ اپنی پوری شان سے بائیں ہاتھ میں انسان کھوپڑی لئے ہوئے خون سے لت پت آنکھیں دہکتے انگاروں کی طرح جل رہی ہیں۔ بال پریشان ہیں۔ جس طرح دائیں ہاتھ کو بلند کرتے ہوئے ماتا کپال کنڈلا کو بُلا رہی ہے۔ کپال کنڈلا نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ وہ ماتا کی تصویر آسمان سے آگے بڑھتی جا رہی ہے کبھی بادلوں کی اوٹ میں آ جاتی اور کبھی بدرجہاء نظر آنے لگتی تھی۔ کپال کنڈلا دیکھتی جا رہی۔

نو کمار اور سادھو نے یہ نظارہ نہیں دیکھا تھا۔

شراب کے نشہ سے پرجوش ہو کر نو کمار نے کپال کنڈلا کی مدھم رفتار کو ناقابل

برداشت سمجھ کر ہمراہی سے کہا " سادھو! " سادھو نے کہا ۔ " فرمائیے "۔
نوکمار " پانی پلائیے!" سادھو نے اُسے پھر شراب پلائی ۔ نوکمار نے کہا ۔
" اب کیوں اتنی دیر ہو رہی ہے؟" سادھو ۔ " دیر نہیں کرنی چاہیئے"۔ نوکمار نے خوفناک انداز میں گرج کر کہا ۔ " کپال کنڈلا؟ کپال کنڈلا " سنکر چونک پڑی ۔ اُسے کسی نے کپال کنڈلا کے نام سے اس وقت تک مخاطب نہیں کیا تھا ۔ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی ۔ نوکمار اور سادھو اُس کے سامنے موجود تھے ۔ کپال کنڈلا فی الفور انہیں پہچان نہ سکی ۔ بولی ۔ " تم کون لوگ ہو؟" پھر فوراً ہی پہچان کر خود ہی بولی ۔۔۔ " نہیں نہیں پتا کیا تم میری قربانی چاہتے ہو؟"
نوکمار نے مضبوطی سے کپال کنڈلا کا ہاتھ پکڑ لیا اور سادھو نے جذبات محبت میں سرشار ہو کر کہا " بیٹی! ہمارے ساتھ چلو "۔ یہ کہہ کر سادھو شمشان کے راستے پر گامزن ہو گیا ۔
کپال کنڈلا نے آسمان کی طرف دیکھا ۔ جہاں بھگوتی کالی کا عکس دیکھا تھا ۔ دیکھا تو وہ نیلگوں بادلوں سے مسکراتی ہوئی نظر آ رہی ہے ۔ اور ایک بڑا اثر شول لیکر سادھو کے پیچھے ہو لینے کا اشارہ کر رہی ہے ۔ کپال کنڈلا نے مسحور ہو کر سادھو کے پیچھے پیچھے چلنا منظور کر لیا ۔ نوکمار مضبوطی سے اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا ۔

(۱۴)

چاند چھپ گیا ۔ ساری دنیا تاریک ہو گئی ۔ سادھو نے جو مقام قربانی کے لئے مقرر کیا تھا ۔ کپال کنڈلا کو وہاں لے گیا ۔ گنگا کے کنارے ریت کے ٹیلے پر شمشان ہے ۔ یہاں طوفان اور سیلاب کی لہریں نہیں پہنچ سکتیں ۔ اس وقت بھی وہ مقام خشک تھا ۔ دریا کا کنارہ ایک گھاٹی کی مانند تھا ۔ جہاں سے گرنے پر گنگا کی گود کے علاوہ بچاؤ کا کوئی مقام نہیں

تھا۔ پانی کی لہروں نے دو جگہ از حد پُر خطر بنا دی تھی۔ زمین خود بخود کٹ کٹ کر پانی کی
لہروں پر دھڑام سے گرتی تھی۔ شمشان میں آگ سلگ رہی تھی۔ مدھم روشنی میں
سناٹے کا عالم پُر خطر دکھائی دیتا تھا۔ نزدیک ہی پوجا قربانی اور ہون کا سامان پڑا
تھا۔ کپال کنڈلا کا دل فراخ ہوتا چلا گیا۔ موسم بہار کی دلگداز ہوائیں آہیں بھر رہی تھی۔
لہروں کے ساحل سے ٹکرانے کا شور بلند ہو رہا تھا۔ شمشان میں بندھے ہوئے
جانور جگالی کر رہے تھے۔

سادھو نے نوکمار اور کپال کنڈلا کو آسن پر بٹھا کر منتر سدھی شروع کی اور
تھوڑی دیر بعد نوکمار کو حکم دیا کہ کپال کنڈلا کو نہلایا جائے۔ نوکمار کپال کنڈلا کو لیکر
نہلانے کو چل دیئے۔ ان دونوں کے پاؤں میں ہڈیوں کے ٹکڑے چبھنے لگے۔ نوکمار
کی ٹھوکر لگنے سے پانی کا ایک گھڑا اُلٹ گیا۔ اس کے نزدیک ہی ایک مُردہ پڑا تھا ابھی
تک اسکو کسی نے جلایا بھی نہیں تھا۔ دونوں کے پاؤں اس پر جا پڑے۔ کپال کنڈلا
ذرا ہٹ کر چل دی۔ اور نوکمار اسکو مسل کر آگے بڑھا۔ چاروں طرف درندے پھر
رہے تھے۔ اور انسانی پاؤں کی چاپ سُن کر چنگھاڑنے لگے۔ کوئی حملہ کے لئے لپکا
اور کسی نے پاؤں زمین پر دے مارا۔ کپال کنڈلا نے دیکھا کہ نوکمار کے دونوں ہاتھ
لرز رہے ہیں مگر اُسے کوئی ڈر نہیں تھا۔

کپال کنڈلا نے کہا۔ "ڈرتے کیوں ہو؟"

نوکمار شرارت کی لَت میں نہایت متین آواز سے بولا۔ "خوف سے مُردنی چھائی جا
رہی ہے؟ یہ نہیں۔"

کپال کُنڈلا۔ "پھر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

یہ سوال صنفِ نازک کے دِلی جذبات سے نکلی لطافت کا مظہر تھا۔ جب عورت ذات کسی کی تکلیف سے از حد متاثر ہوتی ہے۔ تو وہ اِسی انداز سے گفتگو کرتی ہو۔ کسی کو کیا خبر شمشان میں وہ اس قدر بے خوف کسطرح ہو گئی۔ نوکمار نے کہا۔ "ڈر اور خوف سے نہیں بلکہ غصّہ سے کانپتا ہوں"۔

کپال کنڈلا۔ "بہ کس لئے؟"

پھر وہی آواز۔ "تم کیا اِسے جاننا چاہتے ہو؟"

"کپال کنڈلا! تم تو کسی سے مرعوب نہیں ہوئی تھی"۔ کہتے کہتے نوکمار کا گلا بند ہو گیا۔ تم نے کبھی کسی لختِ جگر کو شمشان کے سُپرد نہیں کیا۔ یہ کہتے ہُوئے نوکمار عالمِ حیرت میں کپال کنڈلا کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور رونے لگا۔ کپال کنڈلا! مجھے بچاؤ! دیکھو مَیں سر جھکاتا ہوں۔ ایک بار یہ کہو کہ میں قابلِ اعتماد ہوں۔ ایک بار کہو تو مَیں تمہیں سینہ سے لگا کر دل میں جگہ دیکر گھر لے جاؤں"۔

کپال کنڈلا نے ہاتھ پکڑ کر نوکمار کو اُٹھایا۔ اور مُردنی آواز میں کہا۔ "آپ نے کبھی استفسار ہی نہیں کیا"۔

دورانِ گفتگو میں وہ گنگا کے کنارے آ پہنچے۔ کپال کنڈلا پہلے دریا کی سمت پشت کرکے کھڑی ہو گئی۔ آگے ایک قدم پر پانی تھا۔ طوفان بلند ہونے لگا۔ کپال کنڈلا کنارے پر کھڑی تھی۔ نوکمار نے دریافت کیا۔ "تم نے کبھی پُوچھا ہی نہیں تھا"۔

نوکمار نے پاگلوں کی طرح کہا۔ ہوش گم ہو گئے تھے۔ کیا پُوچھتا۔ بولو۔ کپال کنڈلا! بولو۔ مجھے بچاؤ ۔۔ میری حفاظت کرو۔ اور میرے ہمراہ گھر چلو"۔

کپال کنڈلا۔ "جو کہو بتاؤں۔ آج مَیں نے پدماوتی بھگوتی ماتا کالی دیکھی ہے۔

یہ درست ہے کہ میں لافانی نہیں ہوں۔ مگر اب میں گھر نہیں جاؤں گی۔ ماتا کے قدموں پر قربان ہو جاؤں گی۔ تم گھر چلے جاؤ۔ میں مر جاؤں گی۔ ماتا کے قدموں پر قربان ہو جاؤں گی تم گھر چلے جاؤ۔ میں مر جاؤں گی۔ میری جدائی کا تم افسوس نہیں کرنا۔"

"نہیں کپال کنڈلا! نہیں۔ اس طرح سے بلند آہنگی سے اُس نے کپال کنڈلا کو سینہ سے لگایا۔ مگر کپال کنڈلا کہاں تھی۔ ہوا کی لہروں سے بلند ہوتا ہوا پانی کپال کنڈلا کو اپنی آغوش میں لے گیا تھا۔ اور وہ گنگا کی لہروں کی نذر ہو گئی۔ فی الفور ساحل دریا کا ایک بڑا ٹیلا بھی دھڑام سے پانی میں آ رہا۔

نوکمار پانی کی پُرشور آواز سُنی۔ کپال کنڈلا کو بھی اپنی آنکھوں سے گم ہوتے دیکھا۔ فی الوقت پانی میں اُچھل کر کُود پڑا۔ تیرنا جانتا تھا۔ تھوڑی دیر تک تیرتا ہوا کپال کپال کنڈلا کو ڈھونڈھتا رہا۔ لیکن وہ مل نہ سکی۔

گنگا کی ان لا انداز لہروں میں بسنت کے پُر بہار مسرت بھرے تھپیڑوں میں نوکمار اور کپال کنڈلا کہاں گئے۔ یہ کسی کو پتہ نہ چلا۔



نامی پریس پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور میں باہتمام مہاشہ
راجپال پرنٹر و پبلشر
چھپا

ہماری نئی کتابیں

کشمکش: — ازشری رابندرناتھ ٹیگور۔ یہ ناول انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور عورت مرد کی فطرت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ قیمت تین روپے

آشیانہ: — ازشری رابندرناتھ ٹیگور۔ اس ناول میں گھر کی دنیا اور باہر کی دنیا دونوں کے مختلف پہلوؤں کو نہایت صفائی سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول زندگی کے نشیب و فراز اور انسانی فطرت کی لطافت نگاریوں کا آئینہ بردار ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنہ (عہ/)

گیتانجلی: — وہ کتاب جس نے رابندرناتھ ٹیگور کو شاعر اعظم بنایا۔ اس شاہکار پر آپ کو ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا نوبل پرائز ملا تھا۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (۱۸)

آزمائش: — فطرت نگار شرت چندر کے تازہ ترین بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ قیمت دو روپے (عہ)

ترقی و اقبال کے اشارے: — مسٹر ایلسن کی نہایت مقبول عام اور ہر دلعزیز کتاب جو نوجوانوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتی ہے۔ قیمت ۱۰/

HINDI BHUSHAN GUPTA 25-5-64

جیسے چاہو ویسے بن جاؤ: — اگر آپ موجودہ حالت سے اونچا اٹھنے اور ترقی کے خواہشمند ہیں۔ تو اسے ضرور پڑھیں۔ قیمت ۱۰/

ملنے کا پتہ

میسرز راجپال اینڈ سنز ہسپتال روڈ لاہور

بیال لُنڈلا

ایک ناول

پریم چند لاہور